

آزمائشی اشاعت

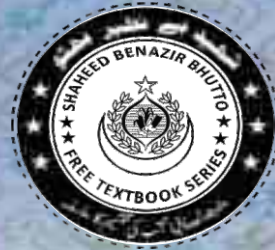


اسلامیات

(لازمی)

برائے جماعت نہم و دہم

(نئے نصاب کے مطابق)



سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

جملہ حقوق بحق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو محفوظ ہیں

یہ کتاب سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو نے تیار کروائی جسے صوبائی کمیٹی برائے جائزہ کتب ڈائریکٹوریٹ آف کریکیولم، اسسٹنٹ اینڈریس چارج سندھ جام شورو، کی تصحیح کے بعد صوبائی محکمہ

تعلیم و خواندگی، حکومت سندھ نے بمراسلہ نمبر: SO(C)SELD/STBB-18/2021 Dated: 06-05-2021

صوبہ سندھ کے سرکاری اسکولوں کے لیے بطور واحد اسلامیات کی درسی کتاب منظور کیا۔

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد
ترنشان عہم عالی شان
مکتبہ ایشیا شاد باد
پاک سرزمین کا نظم
قوم ملک با عظمت
شاد باد منشاں مراد
پہچان ستارہ و ہلال
ترجمان مافی نشان حال
سایہ خدائے ذوالجلال
کشتور حسین شاد باد
آرض پاکستان
قوت اُفتوت عوام
پاندہ تابستہ باد
دہر ترقی و کمال
خیان استقبال

سلسلہ وار نمبر

سال و ماہ اشاعت	ایڈیشن	تعداد	قیمت

آزمائے اشاعت



اسلامیات

(لازمی)

برائے جماعت نہم و دہم



سندھ پبلسٹک بک بورڈ، جام شورو

جملہ حقوق بحق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو محفوظ ہیں
 یہ کتاب سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو نے تیار کروائی جسے صوبائی کمیٹی برائے جائزہ کتب
 ڈائریکٹوریٹ آف کریکیولم، اسسٹنٹ اینڈ ریسرچ سندھ جام شورو، کی تصحیح کے بعد صوبائی محکمہ
 تعلیم و خواندگی، حکومت سندھ نے بمراسلہ نمبر: SO(C)SELD/STBB-18/2021 Dated: 06-05-2021
 صوبہ سندھ کے سرکاری اسکولوں کے لیے بطور واحد اسلامیات کی درسی کتاب منظور کیا۔

نگرانِ اعلیٰ: پرویز احمد بلوچ (چیئر مین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ)

نگراں: عبدالباقی ادریس السندی

مصنفین:
 ☆ پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد رند
 ☆ پروفیسر ڈاکٹر عبدالوحید انڈھڑ
 ☆ مولانا محمد قاسم سومرو
 ☆ ڈاکٹر محمد انس راجپر
 ☆ مولانا نیاز احمد راجپر

ایڈیٹر: ڈاکٹر خلیل احمد کورائی

صوبائی جائزہ کمیٹی

☆ پروفیسر ڈاکٹر ثناء اللہ بھٹو
 ☆ ڈاکٹر خلیل احمد کورائی
 ☆ مولانا عبدالحکیم پٹھان
 ☆ سید شہاب الدین شاہ
 ☆ مسز تحسین کوثر انصاری
 ☆ ڈاکٹر عبدالمحسن
 ☆ مولانا عبد اللہ عابد سندھی
 ☆ حافظ محمد یوسف بھنجر و

طبع کنندہ:

فہرست

صفحہ	عنوان
	باب اول: قرآن مجید
۱	(الف) قرآن مجید: تعارف اور فضائل
۷	(ب) ترجمہ و تشریح (منتخب آیات)
	باب دوم: حدیث شریف
۳۳	(الف) حدیث و سنت کا تعارف اور عملی زندگی پر اس کے اثرات
۳۸	(ب) ترجمہ و تشریح (منتخب احادیث)
	باب سوم: موضوعاتی مطالعہ
	(الف) ایمانیات
۵۹	۱۔ عقیدہ توحید (صفات باری تعالیٰ کا تعارف، توحید کے تقاضے)
۶۴	۲۔ عقیدہ رسالت
	(ب) عبادات
۷۰	۱۔ عبادت کی اہمیت و افادیت
۷۳	۲۔ جہاد: تعارف، اہمیت اور اقسام
	(ج) سیرت طیبہ
۸۰	۱۔ بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ
۸۴	۲۔ دعوت و تبلیغ
۸۹	۳۔ ہجرت مدینہ اور غزوات
۹۴	۴۔ خصائل و شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ
۱۰۱	۵۔ مناقب اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم
۱۰۹	۶۔ مناقب صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

فہرست

صفحہ

عنوان

۱۱۵	۱۔ علم کی اہمیت و فضیلت
۱۱۷	۲۔ اسلام میں خاندان کی اہمیت
۱۲۲	۳۔ احترام انسانیت
۱۲۵	۴۔ عدل اجتماعی
۱۲۹	۵۔ عفت و حیا

باب چہارم: ہدایت کے سرچشمے و مشاہیر اسلام

۱۳۴	۱۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ
۱۴۰	۲۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ
۱۴۴	۳۔ جابر بن حیان
۱۴۷	۴۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ

(الف) قرآن مجید: تعارف اور فضائل

حاصلاتِ تعلم

- قرآن مجید کا تعارف بیان کر سکیں۔
- قرآن مجید کی عظمت و فضیلت بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں قرآن مجید کے حقوق و آداب کی اتباع کر سکیں۔

قرآن مجید کا تعارف: لفظ ”قرآن“ کے لغوی معنی پڑھنا ہے۔ اور ”قرآن“ کے معنی پڑھی ہوئی کتاب بھی ہے۔ قرآن کریم کے اصطلاحی معنی ہیں ”اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو حضرت مُحَمَّدٌ ﷺ سُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمَ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ (حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) پر جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے نازل ہوا اور مصاحف میں لکھا گیا۔

قرآن مجید میں ۳۰ پارے، ۱۱۴ سورتیں، ۵۵۸ رکوع اور ۶۲۳۶ آیات ہیں۔ پہلی سورۃ الفاتحہ اور آخری سورۃ الناس ہے۔ سب سے بڑی سورۃ البقرہ ہے اور سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی و عظمت بیان کرنے والی بڑی آیت آیت الکرسی ہے۔ ”سورۃ“ کم از کم تین آیات پر مشتمل ہوتی ہے اور ہر سورۃ کا ایک خاص مضمون و موضوع ہوتا ہے۔ جس کی ابتداء میں سورۃ توبہ کے علاوہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا گیا ہے۔ اس کو سورۃ کہا جاتا ہے۔ ”آیت“ کے لغوی معنی ہیں نشان یا علامت۔ اصطلاح میں ”آیت“ قرآن شریف کے ایک فقرہ کو کہتے ہیں اور فقرہ کے آخر میں ○ علامت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کے نام: قرآن مجید کا اصل نام یہی ”القرآن“ ہے، لیکن علماء کرام نے اس کے علاوہ بھی بہت سارے نام شمار کیے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: ۱۔ القرآن: کلام پاک کا یہ اصلی اور ذاتی نام ہے۔ ۲۔ الفرقان: حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب۔ ۳۔ الذکر: نصیحت کرنے والی کتاب۔ ۴۔ الکتب: خاص کتاب یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید۔ ۵۔ الہدیٰ: راہ دکھانے والی کتاب۔ ۶۔ النور: روشنی والی کتاب۔ ۷۔ الحق: ثابت شدہ کتاب۔ ۸۔ الشفاء: یعنی جسمانی و روحانی بیماریاں ختم کرنے والی کتاب۔ ۹۔ التنزیل: اتاری ہوئی کتاب۔

نزول قرآن: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا ازلی وابدی کلام ہے، جو ”لوح محفوظ“ میں موجود ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ ۝** (سورۃ البروج: ۲۲) ترجمہ: (یہ کوئی معمولی کلام نہیں) بلکہ یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے۔ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔

قرآن کریم لوح محفوظ سے زمین پر نزول کے دو مراحل میں پہنچا ہے۔ پہلا مرحلہ مکمل قرآن کریم، دنیا والے آسمان پر ”بیت العزۃ“ میں نازل ہوا، اس سلسلہ میں سورۃ القدر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ (القدر: ۱) دوسرا مرحلہ اس کے بعد ضرورت اور موقع کی مناسبت سے وقتاً فوقتاً حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرات مَحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمَ النَّبِيِّیْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر مختلف آیتوں اور سورتوں کی صورت میں لاتے تھے جو بتدریج بائیس برس اور کچھ ماہ میں نازل ہوا، جس میں سے بارہ سال کچھ مہینے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہو اور باقی دارالہجرت مدینہ منورہ میں نازل ہوا۔

تدریجی نزول: قرآن کریم کے نزول کا دوسرا مرحلہ تدریجی (مرحلہ وار) کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم، لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔ (الاسراء: ۱۰۶)۔ قرآن کریم کے تدریجی انداز میں نزول کی درج ذیل حکمتیں ہیں:

- قرآن کریم یاد کرنا آسان ہو گیا۔
- مختلف احکامات جو قرآن کریم میں موجود ہیں انسانی طبیعتوں کو ان پر عمل کے لیے رفتہ رفتہ آمادہ کیا گیا، اگر ایک دفعہ تمام احکامات نازل ہوتے تو قدیم عادات کو ترک کرنے اور نئے احکام پر لوگوں کے لیے عمل کرنا بہت مشکل ہوتا۔
- مخالف لوگوں کی تکلیفیں اور اذیتیں جب حد سے بڑھ جاتیں تھیں اور پھر کوئی وحی نازل ہوتی تھی تو وہ مسلمانوں کی دلوں کے لیے باعث تسکین بنتی تھیں۔
- مختلف اوقات میں لوگوں کی طرف سے سوالات پوچھنے پر ان کا بروقت جواب دینے سے قرآن کریم کی حقانیت ثابت ہوتی ہے۔

لوح محفوظ: لوح محفوظ سے مراد وہ تختی یا کتاب جو ہر طرح کی دستبرد سے محفوظ ہو اور تمام احکام و فرامین اور کلمات الہی کا مصدر ہے۔

بیت العزۃ: یہ آسمان دنیا میں وہ جگہ ہے جہاں قرآن مجید کو لوح محفوظ سے یکبارگی میں اتارا گیا پھر آسمان دنیا (بیت العزۃ) سے تھوڑا تھوڑا کر کے حضور کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر اتارا گیا۔

مکی و مدنی سورتوں کا تعارف اور خصوصیات: قرآن مجید کی سورتوں کو نزول کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ آیات یا سورتیں جو ہجرت مدینہ سے قبل نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں اور جو ہجرت مدینہ کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں۔ اس اعتبار سے مکی سورتوں کی تعداد ۸۸ اور مدنی سورتوں کی تعداد ۲۶ ہے۔ مندرجہ ذیل خصوصیات کی بناء پر مکی اور مدنی سورتوں کو پہچانا جاسکتا ہے:

- مکی سورتیں عموماً چھوٹی ہیں اور ان میں اکثر توحید و رسالت، آخرت کے مجمل احکام، دین و عبادت اور سابقہ امتوں کے واقعات اور انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بیان کیے گئے ہیں، جبکہ مدنی سورتیں بڑی ہیں اور ان میں زیادہ تر شریعت کے تفصیلی احکام ہیں۔
- مکی دور کی سورتوں اور آیات میں اہل ایمان کو ان کے فرائض بتائے گئے ہیں اور گمراہ لوگوں کو گزشتہ اقوام کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے، جبکہ مدنی سورتوں اور آیات میں تفصیلی احکام بتائے گئے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ، حج، جہاد و قتال کے مسائل اور جرائم کی سزائیں وغیرہ بتائی گئی ہیں اور زندگی کے مختلف گوشوں سماجی، معاشی اور خاندانی نوعیت کے احکام سے متعلق بنیادی ہدایات دی گئی ہیں۔
- مکی سورتوں میں مومنوں کے ساتھ زیادہ تر مشرکین کو خطاب کر کے سمجھایا گیا ہے، جبکہ مدنی سورتوں میں مسلمانوں کے ساتھ منافقین اور اہل کتاب کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔
- اکثر مکی سورتوں میں ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ“ (اے لوگو) کے الفاظ سے اور مدنی سورتوں میں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ (اے ایمان والو) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی عظمت و فضیلت: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ آخری الہامی کتاب ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات عظمت اور بزرگی والی ہے اور ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اس طرح اس کی کتاب بھی عظمت اور بلند شان والی ہے۔ ہر قسم کی غلطی، تحریف اور تغیر سے پاک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر: ۹)** ترجمہ: بیشک یہ کتاب نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اس کتاب میں بے پناہ تاثیر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ترجمہ: اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔ اور یہ مثالیں، ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔ (الحشر: ۲۱)

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے والے کے لیے فرمایا ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۵۰۲۷) ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے مزید ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جن پر عمل کرنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک قرآن اور دوسری میری سنت ہے، جو دونوں ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر حاضر ہوں۔ (متدرک حاکم، حدیث: ۴۳۲۱)

قرآن مجید کی چند خوبیاں:

۱۔ قرآن مجید کا الہامی کتاب ہونا: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری الہامی کتاب ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے آخری پیغام ہے، جو رہتی دنیا کے اقوام کا دستورِ عمل ہے اور دنیا و آخرت کی فلاح کی ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کا کوئی بدل نہیں، اس کا پڑھنا اور سننا باعثِ برکت و ثواب ہے، اس کو سمجھنا، اس کی باریکیوں پر غور و فکر کرنا باعثِ ہدایت و سعادتِ دارین ہے، جبکہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنا، دوسروں کو سنانا اور اس کی برکات سے محروم لوگوں تک اس کو پہنچانا بہت بڑی نیکی اور حصولِ سعادتِ دارین کا موجب ہے۔

۲۔ قرآن مجید کا عربی زبان میں نازل ہونا: قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (یوسف: ۲) ترجمہ: ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم لوگ سمجھ سکو۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو صدیوں سے اسی طرح پڑھا جا رہا ہے، جس طرح وہ اپنے نزول کے وقت پڑھا جاتا تھا، جس کا خاص سبب اس کا عربی زبان میں ہونا اور خاص طرزِ بیان ہے۔

۳۔ انداز و اسلوب میں منفرد ہونا: قرآن کریم کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ اپنے انداز و اسلوب میں منفرد ہے، یہ بے حد دلکش اور روح میں اتر جانے والی کتاب ہے اس کے مضامین اور موضوعات میں کوئی تضاد اور تفاوت نہیں ہے، یہی بات اس کے برحق ہونے کے لیے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ترجمہ: بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ (النساء: ۲۷)

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ، ترجمہ: قرآن کی فضیلت دیگر کلام پر اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق پر فضیلت حاصل ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۲۲۰۸)

جس طرح پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کو برتری اور عظمت حاصل ہے اسی طرح اس کے کلام کو بھی بڑی عظمت و فضیلت حاصل ہے۔

۴۔ شک و شبہ سے بالاتر کتاب: قرآن کریم نے ابتداء ہی میں اپنی عظمت کا اعلان کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (سورۃ البقرہ: ۲) ترجمہ: یہ کتاب یعنی قرآن مجید اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ کا کلام ہے پرہیزگاروں کیلئے رہنما ہے۔

قرآن کریم ضابطہ حیات ہے: قرآن مجید قیامت تک ساری کائنات کے تمام مادی و روحانی، دینی و دنیوی تقاضوں کے لیے، مکمل دستور حیات، دائمی و عالمگیر قانون ہے۔ قرآن کریم ہمیں زندگی کے تمام شعبہ جات میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جس میں انسانی زندگی کی حقیقت، حلال و حرام، خیر و شر، تقویٰ و عبادات کے مسائل کے ساتھ شرعی احکام و نصیحت، حکومت و تجارت، جنگ و صلح جیسے مسائل کی رہنمائی کرتا ہے اور یہ معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی تعلیمات و کردار کو بہتر سے بہتر بنانے کے اصول بتاتا ہے۔

قرآن مجید کے حقوق و آداب: قرآن مجید ایک بابرکت کتاب ہے، اس کی شان عام کتابوں سے بڑھ کر ہے، اس لیے مسلمانوں پر اس کے حقوق و آداب عائد ہوتے ہیں، جن کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ مثلاً: ۱۔ قرآن مجید پر ایمان لانا، ۲۔ قرآن مجید کو با وضو غور سے پڑھنا، ۳۔ قرآن مجید کو سمجھنا، قرآن مجید میں تدبر اور غور و فکر کرنا، ۴۔ قرآن مجید پر عمل کرنا، ۵۔ قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنا، ۶۔ قرآن مجید کے نظام کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر نافذ کرنا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ قرآن کریم کے احکام پر زندگی گزارنے کی کوشش کریں، اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔

”مسلمان اور قرآن مجید“ استاد کی نگرانی میں کمرہ جماعت میں اجتماعی طور پر باہمی مکالمہ کے بعد نکات تیار کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ قرآن کریم کا جامع تعارف تحریر کریں۔
- ۲۔ قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان کریں۔
- ۳۔ قرآن مجید کے فضائل پر نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ لفظ قرآن لفظ کا مطلب لکھیں۔
- ۲۔ سورت اور آیت کا مطلب بیان کریں۔
- ۳۔ مکی اور مدنی سورتوں کا فرق تحریر کریں۔
- ۴۔ قرآن کریم کے مشہور نام تحریر کریں۔
- ۵۔ قرآن مجید کے فضائل کے متعلق کم از کم دو احادیث بیان کریں۔
- ۶۔ قرآن مجید کے حقوق و آداب بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ لفظ ”قرآن“ کے لغوی معنی ہے:

- (الف) آسمانی کتاب
(ب) سنی ہوئی کتاب
(ج) پڑھی ہوئی کتاب
(د) لکھی ہوئی کتاب

۲۔ اللہ تعالیٰ کا دائمی و عالمگیر قانون ہے:

- (الف) قرآن مجید
(ب) احادیث
(ج) فقہ
(د) تفسیر

۳۔ قرآن مجید کے نام ”الذکر“ سے مراد ہے:

- (الف) راہ دکھانے والی کتاب
(ب) روشنی والی کتاب
(ج) نصیحت والی کتاب
(د) ثابت شدہ کتاب

۴۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ازلی کلام، جو موجود ہے:

- (الف) بیت المعمور میں
(ب) خانہ کعبہ میں
(ج) بیت العزہ میں
(د) لوح محفوظ میں

”قرآن مجید مکمل ضابطہ حیات“ ہے پر تقریری مقابلہ کروائیں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

تشریح: اس آیت میں دین اسلام کے اصل روح ایمان اور نیکی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کا تعلق تحویل قبلہ کے واقعہ سے ہے جب حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ۱۶-۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کی، تو یہود اعتراض کرنے لگے کہ یہ کیسا دین ہے کہ کبھی مغرب اور کبھی مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔

قرآن کریم کی آیات میں سے یہ ایک اہم اور جامع آیت ہے، جس میں ایمانیات، معاملات، جانی و مالی عبادات اور نیک اعمال کی تعلیم و ترغیب دی گئی ہے، جس کا مقصد ہے کہ نیکی محض ظاہری اعمال کرنے اور رسومات کے بجالانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ نیکی کے اصل کام تو یہ ہیں: دین کے بنیادی عقائد پر ایمان لانا، معاشرے میں ضرور تمندوں کے کام آنا، اللہ تعالیٰ کے فرائض سرانجام دینا، معاملہ داری میں سیدھا ہونا اور دین پر ثابت قدم رہنا وغیرہ نیکی کے کام ہیں۔ جو بھی یہ نیکی کے کام سرانجام دے گا تو وہ ایک نیکوکار، بااخلاق، سچا اور پرہیزگار کہلائے گا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ درست عقائد اپنائیں اور ہمہ وقت اعمال صالحہ اور نیکی کو بجالانے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ ہماری دنیا و آخرت سنور جائے۔

سرگرمی ابواب البر (اعتقادات، عبادات، اخلاق و اعمال) کی فہرست طلبہ سے مرتب کروائیں۔

آیت نمبر ۲: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿۲﴾ (سورۃ النساء: آیت: ۱)

ترجمہ: لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا یعنی اول اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے ضروریات پوری کرنے کا مطالبہ کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

الفاظ اور معانی		
بَثَّ: پھیلا یا	نِسَاءً: عورتیں	تَسَاءَلُونَ: ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔
الْأَرْحَامَ: رشتہ داریاں	رَقِيبًا: نگہبان	

الْأَرْحَامَ: ارحام، رحم کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نسبی اور قریب کے رشتے، ان کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنا ”صلہ رحمی“ کہلاتا ہے۔ وَالْأَرْحَامَ سے رشتہ کی قرابت داری مراد ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے

فرمایا: صلہ رحمی یہ نہیں کہ جب دوسرا جوڑے تو آپ اس سے جوڑیں بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرا توڑے تو آپ اس کے ساتھ قرابت داری جوڑے رکھیں۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۵۹۹۱)

تشریح: اس آیت میں ۱۔ ایک خالق، ۲۔ وحدت انسانیت، ۳۔ صلہ رحمی کی اہمیت، ۴۔ رشتہ داروں کے حقوق، ۵۔ قطع رحمی کی وعید کو بیان کیا گیا ہے۔ ”اے انسانو“ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کو خطاب فرمایا ہے کہ: تم سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تم جو بھی مرد و عورت، چھوٹے بڑے، اچھے برے، دانا و نادان مسلمان یا کوئی بھی ہو! تمہیں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے اور اس کی سزا سے ڈر کر نافرمانیوں سے بچنا چاہیے۔ اس خطاب سے یہ بات بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ تمام انسان اصل میں ایک ہیں کہ سب مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر بنی نوع انسان کو حضرت آدم و حوا سے پیدا کیا۔ اس لیے ہم سب کو آپس میں برادرانہ تعلق اور محبت والا سلوک رکھنا چاہیے، رشتہ داروں سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صلہ رحمی پر ہیبتی اختیار کرنی چاہیے اور رشتے ناتے توڑنے اور حق تلفی سے گریز کرنا چاہیے، اور ہم سب کو ایک ہو کر رہنا چاہیے۔

سرگرمی صلہ رحمی کا مفہوم اور فوائد پر روشنی ڈالیں، باہمی مکالمہ کے بعد طلبہ سے نکات تحریر کروائیں۔

آیت نمبر ۳: وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْأَنْفُسَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: ۲)

ترجمہ: اور یتیموں کا مال جو تمہاری تحویل میں ہو ان کے حوالے کر دو اور ان کے پاکیزہ اور عمدہ مال کو اپنے ناقص اور برے مال سے نہ بدلو اور نہ ان کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ۔ کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔

الفاظ اور معانی

الطَّيِّبِ: اچھی چیز	لَا تَتَّبِعُوا: تبدیل نہ کرو
حُوبًا: گناہ	الْخَبِيثِ: خراب چیز

تشریح: اس آیت میں یتیموں کے سرپرستوں سے خطاب ہے جس میں یتیموں کے حقوق اور ان کے مال کی حفاظت کے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث میں (۱) یتیم بچوں کی دیکھ بھال کرنے، (۲) ان کے ساتھ اچھے سلوک کرنے اور (۳) ان کے مال و ملکیت کی حفاظت کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ ہدایات دی گئی ہیں، یہاں ان لوگوں کو حکم ہے جو یتیم

بچوں کے سرپرست و نگران ہیں، کہ ورثے کے طور پر یتیم بچوں کو جو مال ملا ہے وہ ان کے جو ان ہوتے ہی ان کے حوالے کر دیں۔ کیوں کہ ان کی ملکیت تمہارے پاس امانت ہے، اس لیے، نہ ان کی کوئی بھی چیز اٹھا کر اپنی ردی مال سے بدل دیں اور نہ ہی کھانے پینے اور استعمال کرنے کے دوران بے جا اور فضول خرچی کر کے ان کا مال ہڑپ کر لیں۔ کسی کی بھی حق تلفی سے پرہیز کریں کیوں کہ اس طرح کرنا اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت بڑا گناہ اور نا انصافی کی بات ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم روزمرہ کی زندگی میں حق داروں کا پورا حق ادا کریں اور یتیمی کے مال کی حفاظت کریں اور ان کے عاقل و بالغ ہونے کے بعد ان کو ورثے میں ملا ہو مال ان کے حوالے کریں۔

سرگرمی یتیموں کے مال کی حفاظت کے احکام کو باہمی مکالمہ کے بعد طلبہ سے نکات کی صورت میں تحریر کروائیں۔

آیت نمبر ۴: وَ اتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنِ طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُنَّ نَفْسًا فَاكْلُوْهُ هٰذَا مَرِيْتًا ﴿۴﴾ (سورۃ النساء، آیت: ۴)

ترجمہ: اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے مزے سے کھا لو۔

الفاظ اور معانی	
صَدُقَاتِهِنَّ: ان (عورتوں) کے مہر	مَرِيْتًا: مزہ
هٰذَا: خوشگوار	طِبْنَ: وہ (عورتیں) خوش ہوئیں

مہر: وہ مال ہے جو عقد نکاح کے سبب بیوی کا حق بنتا ہے جو شوہر کے ذمہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بیوی کو ادا کرے۔

تشریح: اس آیت میں عورتوں کے ایک خاص حق یعنی مہر کی ادائیگی کی تاکید بیان کی گئی ہے۔ حق مہر کبھی بھی معاف نہیں ہوتا۔ بہتر یہ ہے کہ مہر فوری ادا کیا جائے۔ یہ شوہر کی طرف سے ایک تحفہ احترام ہے، جو بیویوں کی صورت میں یا کسی بھی ایسی چیز کی شکل میں ہو جو قیمت رکھتی ہو، اسلام نے مہر کو عورت کی ملکیت قرار دیا ہے جس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتی ہے، شوہر کو اس سے باز پرس کا کوئی حق نہیں ہے۔

مہر اگر وقت پر ادا کیا جائے تو ”مُعَجَّل“ اور تاخیر سے دیا جائے تو ”مُؤَجَّل“ کہلاتا ہے۔ مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں ”مہر مثل“ لازم ہوتا ہے (یعنی ان کے خاندان کی عورتوں پھوپھی اور بہن وغیرہ کو جو مہر ملا ہے)، اگر زندگی بھر شوہر نے مہر ادا نہ کیا تو اس کے اوپر قرض رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی ملکیت سے بیوی کو دلایا جائے گا۔

اس آیت میں ۱۔ اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے اس خاص حق کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ: بیویوں کو ان کا حق مہر خوشی خوشی اور رغبت کے ساتھ خود ادا کر دو۔ تاکہ تمہاری آپس میں بنی رہے، زبردستی معاف کرانا، ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا یا نہ دینے کا ارادہ کرنا گناہ ہے۔ ۲۔ ہاں اگر بیوی خوش دلی سے مہر کا کچھ حصہ یا پورا مہر چھوڑ دے تو پھر شوہر پر کوئی حرج نہیں اور وہ اس کو اپنی مرضی سے استعمال میں لاسکتا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ خواتین کے حقوق ادا کریں بالخصوص ”مہر“ کو تو ہر حال میں ادا کرنا چاہیے۔

سرگرمی کمرہ جماعت میں مہر کی ادائیگی کا حکم اور تاکید اور استعمال کرنے کی صورت پر مختصر وضاحت کریں۔

آیت نمبر ۵: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّفَهَاءَ ۖ أَمْوَالِكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿۵﴾

(سورۃ النساء، آیت: ۵)

ترجمہ: اور کم عقلوں کو ان کا مال جسے اللہ نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دوہاں اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو۔

الفاظ اور معانی

لَا تَتَّبِعُوا: حوالے نہ کرو	السُّفَهَاءَ: ناسمجھ	اَكْسُوهُمْ: تم انہیں پہناؤ
-------------------------------	----------------------	-----------------------------

تشریح: اس آیت میں یتیموں اور ناسمجھ اور معذور افراد کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یتیم بچوں کے کفیل کو درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں کہ:

- اگر یتیم بچے جو ان ہو چکے ہیں مگر مال کی حفاظت کا طریقہ نہیں جانتے ہوں اور استعمال کی صلاحیت نہیں رکھتے ہوں اور اپنی سادگی یا کم عقلی کی وجہ سے مال کا نقصان کر دیں گے، تو ان کو یہ مال و ملکیت حوالے نہ کرو جو تم سب کے گذر بسر اور قیام و بقا کا ذریعہ ہے۔ کیوں کہ مال انسان کا ذریعہ معاش ہے، تھوڑی سی غفلت بھی مال اور صاحب مال کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔
- یہ ملکیت ان کے حوالہ کرنے کے بجائے ان کی ضروریات زندگی کا انتظام کرتے رہو، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، تعلیم و تربیت پر ان کا مال خرچ کر کے ان کو فائدہ دو کیوں کہ وہ بھی معاشرہ کا حصہ ہیں۔
- اگر وہ اپنی ملکیت کا مطالبہ کریں تو ان سے اچھی بات کہو کہ یہ ملکیت تمہاری ہی تو ہے، ہم تو بس نگران و سرپرست ہیں۔ آپ جب اس کے سنبھالنے کے قابل ہو جاؤ تو تمہارا مال تمہیں سونپ دیا جائے گا۔

سرگرمی یتیموں کی پرورش کے مسائل پر اجمالاً نکات کی صورت میں طلبہ سے تحریر کروائیں۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ تحریر کریں:

- وَ اتُوا الْيَتٰى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْاٰخِيَةَ بِالطَّبٰىءِ وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حٰوِبًا كَبِيْرًا۔
- وَ اتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طَبِنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هٰنِيًْٓٔا مَّرِيًْٓٔا۔

۲۔ آیت لیس البر کی روشنی میں۔ البر کے نکات تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

النِّسَاءَ	بَثَّ	حُوْبًا	نِحْلَةً	السُّفْهَاءَ
------------	-------	---------	----------	--------------

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ آیت لیس البر میں صبر کے مواقع بیان کریں۔

۲۔ صلہ رحمی کا مطلب کیا ہے؟ تحریر کریں۔

۳۔ یتامیٰ کے اموال کے متعلق سرپرستوں کو کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بَعَثْنٰهُمْ اِذَا عٰهَدُوْا اٰكَا تَلْعَلِقُ هٖ:

(الف) ایمانیات سے (ب) معاملات سے

(ج) مالی عبادات سے (د) جانی عبادات سے

۲۔ یا ایہا الناس سے مخاطب کیا گیا ہے:

(الف) فرشتوں کو (ب) انسانوں کو

(ج) حیوانوں کو (د) جنوں کو

۳۔ البر بحسن الخلق کے معنی ہیں:

(الف) نیکی سخاوت کا نام ہے (ب) نیکی بردباری کا نام ہے

(ج) نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے (د) نیکی ایثار کا نام ہے

(ب) ۲۔ منتخب آیات، ترجمہ و تشریح: سورۃ النساء: ۶ تا ۱۰

آیت نمبر ۶: وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ أَنْسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۗ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾ (سورۃ النساء، آیت: ۶)

ترجمہ: اور یتیموں کو بالغ ہونے تک کام کاج میں مصروف رکھو اور جانچتے رہو پھر بالغ ہونے پر اگر ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔ اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔ یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑادینا۔ اور جو شخص آسودہ حال ہو اس کو ایسے مال سے قطعاً طور پر پرہیز رکھنا چاہیے اور جو ضرورت مند ہو وہ مناسب طور پر یعنی بقدر خدمت کچھ لے لے۔ اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو گواہ کر لیا کرو اور حقیقت میں تو اللہ ہی گواہ اور حساب لینے والا کافی ہے۔

الفاظ اور معانی		
ابْتَلُوا: تم جانچتے رہو	بَلَغُوا: وہ پختے	انْسْتُمْ: تم محسوس کرو
رُشْدًا: سمجھ بوجھ	إِسْرَافًا: بے جا/ فضول خرچی	بِدَارًا: خوف سے
فَلْيَسْتَعْفِفْ: اسے بچنا چاہیے	حَسِيبًا: حساب کرنے والا	

بلوغ: بلوغ سے مراد ہے نکاح کی عمر کو پہنچ جانا۔ **رشد:** رشد سے مراد مالی انتظام اور کاروبار کی سمجھ بوجھ رکھنا۔

تشریح: اس آیت میں نابالغ اور یتیمی کے اموال کو واپسی کے وقت شرائط کا ذکر ہے اور ان کے اموال کو بے درلیغ خرچ کرنے سے ممانعت بیان کی گئی ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ جب ان میں بلوغ و رشد پایا جائے تو ملکیت ان کے حوالے کر دیں۔ دولت کو سنبھالنے، اس کو جائز تجارت میں لگانے اور نفع و نقصان میں فرق سمجھنے جیسے معاملات سے متعلق ان بچوں کی قابلیت اور صلاحیت کی آزمائش کی جائے، اگر وہ اس عمر کو پہنچ چکے ہیں کہ یہ چیزیں سمجھنے لگے ہیں تو ملکیت ان کے حوالے کر دو۔ اور ملکیت حوالے کرنے کے وقت گواہ مقرر کر دیے جائیں تاکہ بعد میں کسی پر کوئی الزام عائد نہ ہو، غلط فہمی بھی ختم ہو جائے گی اور آئندہ کسی جھگڑے کا خدشہ بھی نہیں رہے گا۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جب تک مال منتقل نہیں ہوا ہو، بلکہ مال کفیل کے پاس ہے اور وہ خود دولت مند ہے تو یتیم بچوں کے مال میں سے کچھ استعمال کرنے کی اس کو اجازت نہیں، باقی جو یہ ان کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا اجر دے گا، البتہ کفیل خود غریب اور محتاج ہے تو اس کو منصفانہ طریقے سے بقدر ضرورت دستور کے مطابق اس مال میں سے لینے کی اجازت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے کفیلوں کو ہدایت کر دی ہے، کہ اس خیال سے کہ بچے بڑے ہو جائیں گے اور اپنے مال کا تقاضا کریں گے، تو جلدی جلدی اور بے جا استعمال میں ان کے مال کو ختم کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہوگا۔

آیت نمبر ۷: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿سورة النساء: آیت ۷﴾

ترجمہ: جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ کر مرے، تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔

الفاظ اور معانی		
نَصِيبٌ: مقرر حصہ	تَرَكَ: اس نے چھوڑا	مَّفْرُوضًا: لازم مقرر کیا ہوا

تشریح: اس آیت میں والدین اور دیگر اقرباء کے چھوڑے ہوئے اموال میں حق میراث کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلام سے پہلے عام طور پر عرب کے دستور کے مطابق عورتوں، لڑکیوں اور نابالغ اولاد کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، اسلام نے یہ اصول و ضابطہ قائم کر دیا ہے کہ حق دار ہونے کے ناطے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل باتوں کی وضاحت کی گئی ہے:

- مرحوم کی چھوڑی ہوئی تمام ملکیت / دولت (منقوہ و غیر منقوہ)، جائداد، اراضی وغیرہ میراث شمار ہوگی۔
- مردوں کے ساتھ بچے اور عورتیں بھی اپنے حصہ کے مطابق میراث حاصل کریں گے۔
- میراث تھوڑی ہو یا زیادہ، اس میں سب شریک ہوں گے۔
- وارثوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کا حصہ مقرر ہے جس کا دینا ضروری ہے خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ۔

بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو یتیموں اور عورتوں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت فرما کر ان کی حق تلفی سے روک دیا گیا ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ اسلام کے قانون وراثت پر اپنی معاشرتی زندگی میں عمل کریں اور ورثا کا جتنا بھی حصہ بنتا ہو بہ رضا و خوشی دیں اور حق تلفی سے بچتے رہیں تاکہ سعادت دارین حاصل ہو۔

سرگرمی
کمرہ جماعت میں ”تذکرہ اور میراث کے احکام و اہمیت“ پر باہمی تذکرہ کروائیں اور کسی عالم دین کی مدد سے مختصر نکات تحریر کروائیں۔

آیت نمبر ۸: وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَازِرُوهُمْ مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿۸﴾

(سورۃ النساء، آیت: ۸)

ترجمہ: اور جب میراث کی تقسیم کے وقت غیر وارث رشتہ دار اور یتیم اور نادار لوگ آجائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو۔ اور ان سے شیرین کلامی سے پیش آیا کرو۔

الفاظ اور معانی

الْقِسْمَةَ: تقسیم (کے وقت)	أُولُو الْقُرْبَىٰ: قریبی رشتہ دار	فَأَازِرُوهُمْ: ان کو کھلاؤ / ان کو دے دو
-----------------------------	------------------------------------	---

تشریح: شریعت میں وراثت اور حصے متعین کیے گئے ہیں جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں وراثت کے درمیان میراث کی تقسیم کے وقت غریب رشتہ داروں سے حسن سلوک کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کچھ آداب بتلائے ہیں اور اخلاقی ہدایات دی ہیں کہ: جب کسی مرحوم کا مال و دولت میراث کے طور پر تقسیم کیا جا رہا ہو تو بعض دفعہ وہاں پر برادری اور کنبہ کے ایسے لوگ بھی جمع ہو جاتے ہیں جن کو اس ملکیت میں سے کوئی شرعی حق نہیں ملنے والا مثلاً: دور کے رشتہ دار، یتیم، مساکین، غریب، محتاج اور سائل وغیرہ تو قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق اس میں سے ان لوگوں کو بھی کچھ نہ کچھ دے کر مدد کی جائے۔

اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان لوگوں کو مجموعی مال سے یہ تبرع اور خیرات نہیں دی جائے گی۔ بلکہ وارثوں میں سے جو بالغ اپنا اپنا حصہ لے چکے ہیں وہ یہ ادائیگی کریں گے۔ کیوں کہ نابالغ بچوں اور غائبین وراثت کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر ادائیگی کرنا جائز نہ ہو گا۔ ساتھ ہی وراثت کو غیر وارث لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے متعلق اخلاق کی تلقین کی گئی ہے کہ اگر ان غیر حقداروں کو دینا نہیں چاہتے تو ایسا نہ ہو کہ بخل اور غصہ میں ان کو برا بھلا کہنے لگ جاؤ کہ تمہارا کچھ نہیں ہے، یہ

ہماری اپنی ملکیت ہے، بلکہ ان لوگوں کو خوش دلی اور نرمی سے معقول بات کہہ کر رخصت کرو اور ان کو جھڑنا اور ان کی دل شکنی کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

آیت نمبر ۹: وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۗ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: ۹)

ترجمہ: اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو ایسی حالت میں ہوں کہ اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور ان کو ان کی نسبت خوف ہو کہ ہمارے مرنے کے بعد ان بیچاروں کا کیا ہو گا پس چاہیے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور درست بات کہیں۔

الفاظ اور معانی

وَلْيَخْشَ: اسے ڈرنا چاہیے	ذُرِّيَّةً ضِعْفًا: کمزور اولاد	خَافُوا: وہ ڈر گئے
----------------------------	---------------------------------	--------------------

تشریح: اس آیت میں سرپرست کو یتیموں (جو وارث نہ ہونے کی وجہ سے حصہ نہ پاسکے) سے حسن سلوک اور ان کے حقوق کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، کہ ذرا سوچو کہ اگر تم اپنے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونے لگتے تو تمہیں ان کی کتنی فکر ہوتی؟ پس ہر یتیم کے بارے میں تمہیں ایسا ہی سوچنا اور معاملہ کرنا چاہیے، تاکہ تمہارے دلوں میں ان کے لیے جذبہ رحمت و محبت پیدا ہو۔ یتیموں سے سیدھی، نرم اور اچھی بات کہنی چاہیے، کوئی سخت بات نہیں کرنی چاہیے جس سے اس کا دل ٹوٹے اور ان کا نقصان ہو بلکہ ان کی اصلاح ہو۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے یتیموں کی کفالت اور حقوق کی ادائیگی کی بہت تاکید کی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الوصایا، حدیث: ۲۷۶۷)

آیت نمبر ۱۰: إِنَّ الدِّينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ طَلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝

(سورۃ النساء، آیت: ۱۰)

ترجمہ: جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

الفاظ اور معانی

يَأْكُلُونَ: وہ کھاتے ہیں	بُطُونٍ: پیٹ	نَارًا: آگ
سَيَصْلَوْنَ: عنقریب وہ داخل ہوں گے	سَعِيرًا: بھڑکتی ہوئی آگ	

تشریح: اس آیت میں یتیموں کے حقوق اور ان کے مال میں خیانت کی سزا اور وعید کو بیان کیا گیا ہے۔ انسانی معاش میں مال و دولت کی بڑی اہمیت ہے، اس کو جائز اور حلال طریقوں سے کمنا عبادت میں شمار ہوتا ہے، جب کہ باطل طریقوں سے مال جمع کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، عام لوگوں کے مقابلے میں اگر کمزور، ضعیف، یتیموں اور مسکینوں کے مال میں ناجائز تصرف اور خیانت کر کے ان کی اس طرح حق تلفی کی جائے تو یہ اور بڑی برائی کی بات ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کو ظلم کے طور پر ناحق طریقے سے ہتھیانے اور ناجائز استعمال کرنے والوں کے لیے فرمایا کہ وہ جو کچھ بھی اس طرح کھاتے ہیں گویا وہ اپنے پیٹ کے اندر جہنم کی آگ جھونک رہے ہیں۔ اور ان کے لیے آخرت کے جھلسانے والی آگ الگ سے تیار ہے۔ حدیث میں بھی یتیم کے مال کھانے کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الحاربین، حدیث: ۶۸۵۷)۔

سرگرمی یتیموں کے مال میں خیانت“ کے نقصان پر باہمی مذاکرہ کے بعد نکات تحریر کروائیں۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں

۱۔ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ تحریر کریں:

- وَيُخْشِ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۗ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۔
 - إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ كُلُوبًا ۚ إِنَّهَا لَئِيمًا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا۔
- ۲۔ سورۃ النساء کی آیت ۶ کی روشنی میں یتیموں کے حقوق تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

فَلْيَسْتَعْفِفْ	مَقْرُوضًا	فَازْرُقُوهُمْ	ذُرِّيَّةً	خَافُوا	بُطُونِ	سَعِيرًا
------------------	------------	----------------	------------	---------	---------	----------

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ بلوغ اور رشد کا مطلب کیا ہے؟ تحریر کریں۔
- ۲۔ قرآن کریم میں یتیم کو مال واپس کرنے کا طریقہ کیا بتایا گیا ہے؟
- ۳۔ قرآن مجید نے یتیم کے کفیل / سرپرست کی کیا ذمہ داریاں بتائی ہیں؟
- ۴۔ یتیموں کے مال میں خیانت کرنے والوں کی کیا سزا بیان کی گئی ہے؟

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ ملکیت حوالے کرنے کے وقت مقرر کیے جائیں:

(الف) وکیل (ب) گواہ

(ج) نائب (د) حاکم

۲۔ یتیموں کو مال حوالے کرنے کے وقت جانچنا ہے:

(الف) بلوغ و رشد کو (ب) صحت اور مرض کو

(ج) علم و دانش کو (د) تحمل و برداشت کو

۳۔ یتیم کے مال سے کفیل کو بقدر ضرورت مال لینے کی اجازت ہے جب وہ:

(الف) کفیل غریب ہو (ب) کفیل امیر ہو

(ج) کفیل قرضدار ہو (د) کفیل محتاج ہو

۴۔ یتیموں اور مسکینوں سے بات کرنی چاہیے:

(الف) سختی سے (ب) نرمی سے

(ج) غصے سے (د) ناشائستگی سے

۵۔ قرآن مجید نے یتیموں کا مال ناحق کھانے والوں کا ٹھکانہ بتایا ہے:

(الف) جنت (ب) جہنم

(ج) برزخ (د) قبر

۶۔ یتیمی کا مال ناحق کھانے والے وہ اپنے پیٹ میں بھرتے ہیں:

(الف) مٹی (ب) آگ

(ج) پانی (د) ہوا

(ب) ۳۔ منتخب آیات، ترجمہ و تشریح: سورۃ النساء آیت ۲۹، ۳۶۔

سورۃ المائدہ آیت: ۲۳، ۳۳، ۳۴

آیت نمبر ۱۱: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۹﴾ (سورۃ النساء: آیت ۲۹)

ترجمہ: مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں! اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو اور اس سے مالی فائدہ حاصل ہو جائے تو وہ جائز ہے اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔

الفاظ اور معانی

تَرَاضٍ: رضامندی	بِالْبَاطِلِ: ناحق طریقے سے	لَا تَأْكُلُوا: نہ کھائیں
------------------	-----------------------------	---------------------------

تشریح: اس آیت میں اکل حلال کی تاکید (یعنی ناحق مال کھانے کی ممانعت) اور قتل ناحق کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ ہر انسان کی تین چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، جان، مال اور آبرو۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو ان تینوں چیزوں کی ضمانت دی ہے، چنانچہ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے صرف اس کو اپنا سیاسی نظام سمجھ کر اس کے زیر سایہ ذمی ہو کر رہنا پسند کرتے ہیں، اسلام میں ان کو بھی یہ تینوں حقوق حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں پہلی دو چیزوں کی تاکید کی گئی ہے اور جو اسلام لائے ہیں ان کو تو بالخصوص ان باتوں کا دھیان رکھنا چاہیے۔

ناحق اور ناجائز مال کھانے کی ممانعت: ایسی چیزیں جو بذات خود حرام ہیں مثلاً: خنزیر، شراب، نشہ آور چیزیں وغیرہ ان کو خریدنا، بیچنا اور استعمال کرنا پہلے ہی ناجائز و حرام ہیں، لیکن ایسی چیزیں جو اپنی ذات میں حلال اور مباح ہیں اگر ان کو خریدنے اور اپنے تصرف میں لانے کے لیے کوئی ناجائز طریقہ استعمال کیا جائے تو وہ چیزیں بھی حرام بن جاتی ہیں۔ مثلاً: چوری، ڈکیتی، غصب، دھونس، رشوت اور سود، جھوٹ، دھوکہ بازی، ذخیرہ اندوزی، چور بازاری، سٹہ اور جوا، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا گیا مال و دولت۔ یہ سب مال حاصل کرنے کے باطل اور ناجائز طریقے ہیں۔ ان سے بچنے اور حلال مال کے حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ رضا و خوشی کے ذریعے کوئی خرید و فروخت ہوئی ہے تو وہ حاصل شدہ مال، حلال ہے اور جائز ملکیت ہے۔

ناحق قتل کی ممانعت: جس طرح دوسرے کا مال کھانا حرام ہے، اسی طرح کس کی ناحق جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے یعنی آپس میں ایک دوسرے کو بلاوجہ ناحق قتل بھی مت کرو۔ دوسرے کی جان لینے کو ”اپنے آپ کو مارنے“ سے تعبیر کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب کوئی دوسرے کو ناحق قتل کرے گا تو بدلہ میں وہ خود بھی قتل ہو گا۔ اسی طرح اس میں خودکشی کرنے کی ممانعت بھی واضح ہو گئی کہ دوسرے کے بدلہ میں قتل ہونے سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ختم کر دے، چنانچہ یہ تمام صورتیں حرام و ناجائز ہیں۔

”ناحق مال کھانے“ کے باہمی بحث و مباحثہ کے بعد معاشرتی نقصانات طلبہ سے نکات کی صورت میں تحریر کروائیں۔

سرگرمی

آیت نمبر ۱۲: وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا ﴿١٢﴾

(سورۃ النساء: آیت ۳۶)

ترجمہ: اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور ناداروں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ حسن سلوک کرو (اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔) بیشک اللہ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

الفاظ اور معانی

الْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ	بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا	ابْنِ السَّبِيلِ: مسافر
الْجَارِ الْجُنُبِ	بِذِي الْقُرْبَىٰ	بِالْوَالِدَيْنِ: اترانے والا
الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ	وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا	مُخْتَلًا: تکبر کرنے والا
وَابْنِ السَّبِيلِ	وَبِذِي الْقُرْبَىٰ	فَخُورًا: تمہارے ہاتھ

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت، توحید اور حقوق العباد کی تاکید اور اہمیت بیان کی گئی ہے۔ انسان کے ذمے دو قسم کے حقوق متعلق ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے جبکہ دوسرے کا تعلق لوگوں کے ساتھ ہے۔ پہلی قسم کو حقوق اللہ اور دوسری قسم کو حقوق العباد کہا جاتا ہے، اس آیت میں دونوں قسم کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے:

حقوق اللہ: اس آیت میں حقوق اللہ سے متعلق دو باتوں کا بیان ہے: ۱- اللہ تعالیٰ کو بلند عظمت والا جان کر اس کی وحدانیت کے قائل ہو جانا، ۲- اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کرتے رہنا۔ اس کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ کیوں کہ یہ بہت بڑا گناہ اور ظلم ہے۔ یعنی اقرار توحید اور عمل صالح مطلب کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا صرف اسی کی عبادت کرنا اس کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل کرنا اور حد و اللہ سے تجاوز نہ کرنا۔

حقوق العباد: بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا رتبہ والدین کا ہے اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر اپنی عبادت کے بعد والدین کا تذکرہ فرمایا ہے مثلاً ترجمہ: اور تمہارے رب نے فیصلہ سنایا ہے کہ تم اسی کی بندگی کرو گے اور والدین سے اچھائی کرتے رہو گے۔ (سورۃ الاسراء: ۲۳)

والدین کے بعد دوسرے لوگوں سے بھی بھلائی اور حسن سلوک کرنے کا حکم ہے مثلاً: قریبی رشتہ دار، یاد دور کے رشتہ داروں کے ساتھ حسب مراتب حسن سلوک کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا۔ ہمیں معاشرتی زندگی میں سب لوگوں کے ساتھ امن و سلامتی اور حسن سلوک سے پیش آنا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں صلہ رحمی کی تاکید اور قطع رحمی پر شدید وعید بیان کی گئی ہے۔ سماج کے کمزور طبقہ والے افراد جیسے یتیم اور غریب، مسکین، حاجت مند قسم کے لوگ، پھر جن سے اکثر طور پر ملنا جلنا رہتا ہے جیسے قریب اور بعید کے پڑوسی، مسافر، مہمان اور ماتحت رہنے والے غلام، ملازم، نوکر چاکر، رفیق سفر، پیشہ اور کام کے شریک وغیرہ ان تمام کے ساتھ احسان یعنی نیک سلوک اور اچھے برتاؤ اور ان کی دل جوئی کرنا اور ان پر مال خرچ کرنا وغیرہ کا حکم ہے۔ اسی طرح حیوانات کے ساتھ رحم دلی والا رویہ رکھنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

سرگرمی طلبہ اپنی زندگی کے واقعات تحریر کریں جن میں انھوں نے کسی کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے۔

آیت نمبر ۱۳: مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ۖ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُسْرًا فُؤُونًا ﴿۳۲﴾ (سورۃ المائدہ: آیت ۳۲)

ترجمہ: اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے ذمے یہ بات لکھ دی کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے تو اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جو ایک انسان کی جان بچا لے تو گویا اس نے سارے انسانوں کو زندگی دے دی۔ اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لائے ہیں، پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔

الفاظ اور معانی

کَتَبْنَا: ہم نے لکھا	أَحْيَا: اس نے زندہ کیا
مُسْرِفُونَ: حد سے بڑھنے والے	الْبَيْئَاتِ: کھلی ہدایات

تشریح: اس آیت میں انسانی جان کی حرمت اور حفاظت کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ جب بنی اسرائیل میں قتل ناحق کا عام رواج شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے قانون بتا دیا کہ کسی آدمی کا ناحق قتل کرنا (جس نے کسی کو قتل کیا نہ زمین میں فساد پھیلایا) ایسا ہے کہ گویا پوری انسانیت کو مار دینا ہے اور کسی کی جان بچانا پوری انسانیت کے بچانے کے برابر ہے۔ ناحق قتل سے انسان کی حرمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس لیے کہا گیا ہے کہ کوئی شخص قاتل اس وقت بنتا ہے، جب وہ انسانی خون کے رشتے کو توڑ دیتا ہے اور اس کی دل سے بنی نوع انسان سے ہمدردی کا جذبہ نکل جاتا ہے اور اس کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دوسروں کی جان لے لیتا ہے۔ یہ قانون صرف بنی اسرائیل کے لیے نہیں ہے بلکہ تاقیامت بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ یہ آیت واضح دلیل ہے کہ اسلام خون ریزی اور فتنہ و فساد کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو امن و صلح، صبر و تحمل اور بقائے باہمی اور تکریم انسانیت کی تعلیم دیتا ہے۔

آیت نمبر ۱۴-۱۵: إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۗ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵﴾ (سورۃ المائدہ: آیت ۳۳، ۳۴)

ترجمہ: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ بری طرح قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب تیار ہے۔ (۳۳) ہاں! جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو آجائیں تو بہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ (۳۴)

الفاظ اور معانی

يُحَارِبُونَ: وہ لڑائی کرتے ہیں	يَسْعَوْنَ: وہ کوشش کرتے ہیں	يُصَلَّبُونَ: پھانسی دئے جائیں
تُقَطَّعَ: کاٹی جائے	أَرْجُلُ: پاؤں	يُنْفَوْا: جلاوطن کئے جائیں
خِزْيٌ: رسوائی	تَابُوا: انھوں نے توبہ کی	تَقْدِرُوا: تم قابو پاؤ

اس آیت میں ”الارض“ سے مراد وہ جگہ (ملک، ریاست، علاقہ) ہے جہاں اسلامی حکومت قائم ہو اور جس میں امن امان قائم کرنے کی ذمہ داری اسلامی مملکت کی ہو۔

تشریح: اس آیت مبارکہ میں جرم اور فتنہ و فساد کی ممانعت اور ان فسادوں کو لوگوں کی شرعی سزا کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے قوانین کی بے حرمتی کر کے گویا اس صالح نظام و معاشرہ سے لڑائی کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں، پر امن لوگوں کو اسلحے کے زور پر لوٹے مارتے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، سماج کے امن اور سکون کو بر باد کرتے ہیں۔ ایسے ظالم اور فسادی قسم کے لوگوں کے لیے اس آیت میں چار قسم کی سزائیں بتائی گئی ہیں۔ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں یا جلا وطن کر دے جائیں۔

یہ سزائیں اجمالی طور پر بیان کی گئیں ہیں، تاکہ قاضی یا حاکم اپنے اجتہاد سے ہر جرم کو اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے اندر قتل و غارت، ڈاکہ زنی اور اسلامی حکومت کے خلاف یا بغاوت کرنا یا ہر قسم کا فتنہ و فساد کرنا بدترین جرائم ہیں۔ اور مجرم کو انتہائی سزائوں میں سے کوئی بھی سزا دی جاسکتی ہے۔ جرم سے توبہ تاہب ہونا: دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی فساد اور ظالم حکومت کی گرفتاری سے پہلے توبہ تاہب ہوتا ہے تو یہ شرعی سزائیں جو حقوق اللہ میں سے ہیں، اس پر سے ساقط ہو جائیں گی، البتہ حقوق العباد کے تحت ان کا معاملہ حق داروں سے ہی طے کرنا ضروری ہے یعنی لوٹا ہوا مال اس کو واپس کرنا ہو گا یا اس کا تاوان دینا ہو گا، اور اگر قتل یا زخمی کیا ہے تو رتہ قصاص یا دیت (خون بہا) پر راضی ہو جائیں یا اس کو معاف کر دیں، تو اس کی جان بخشی ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

سرگرمی ”توبہ سے حقوق اللہ یا حقوق العباد کی معافی“ کی وضاحت استاد یا عالم دین کی مدد سے کروائیں۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل آیات میں سے کسی بھی دو آیات کا ترجمہ تحریر کریں:

- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔

• وَعَبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَلًا فَخُورًا۔

• مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ۖ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعَدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ۔

۲۔ ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل کیوں قرار دیا گیا ہے؟

۳۔ قرآن کریم میں امن عامہ میں خلل ڈالنے والوں کے لیے کون سی سزائیں مقرر کی گئی ہیں؟

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

لَا تَأْكُلُوا	مُخْتَلًا	مُسْرِفُونَ	خِزْيٌ	تَقْدِرُوا
----------------	-----------	-------------	--------	------------

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ یتیم کے مال کی حفاظت کیوں ضروری ہے؟

۲۔ ”اور اپنے آپ کو قتل مت کرو“ کا مفہوم تحریر کریں۔

۳۔ مال حاصل کرنے کے ناجائز طریقے کون سے ہیں؟

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ آمدنی کا ناجائز طریقہ ہے:

(الف) زراعت (ب) صنعت

(ج) تجارت (د) رشوت

۲۔ حقوق العباد سے مراد ہیں:

(الف) اللہ تعالیٰ کے حقوق (ب) انسانوں کے حقوق

(ج) حیوانات کے حقوق (د) نباتات کے حقوق

۳۔ ابن السبیل سے مراد ہے:

(الف) فقیر (ب) مسکین

(ج) مسافر (د) ہمسایہ

۴۔ بے گناہ کو قتل کرنا گویا قتل کرنا ہے:

(الف) پوری کائنات کو

(ج) پوری حیوانیت کو

(ب) پوری انسانیت کو

(د) پورے خاندان کو

(ب) ۴۔ منتخب آیات، ترجمہ و تشریح: سورۃ التوبہ آیت ۲۴، ۳۳۔ سورۃ الحج آیت: ۳۹-۴۰

آیت نمبر ۱۶: قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۶﴾ (سورۃ التوبہ: آیت ۲۴)

ترجمہ: (اے پیغمبر) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان والے اور مال جو تم کما تے ہو اور تجارت جس میں مندی سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم یعنی عذاب بھیجے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

الفاظ اور معانی		
عَشِيرَتُكُمْ: خاندان تمہارا	اِقْتَرَفْتُمْ: کما یا تم نے	تَخْشَوْنَ: تم ڈرتے ہو
كَسَادًا: مندرا ہونا	مَسْكِنًا: گھر	تَرَبَّصُوا: انتظار کرو

تشریح: اس آیت میں ہر قسم کی رشتہ داریوں اور تعلقات کے بعد بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ اور حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے محبت اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا دنیا کی ہر چیز سے مقدم ہے۔ ایمان دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، جس کے باعث نہ صرف انسان دنیا میں فائدہ حاصل کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آخرت کے لیے بھی تیاری ہوتی رہتی ہے۔ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی محبت و اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کو بڑی شان اور عظمت سے بیان فرمایا ہے مثلاً:

- جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا، اللہ کے یہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور وہی کامیاب لوگ ہیں۔
- اے ایمان والو! تمہارے والدین، تمہاری اولاد، بیویاں و دیگر رشتہ دار اور مال و جائداد یہ سب اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب نہیں ہونے چاہئیں اور والدین و دیگر رشتہ داروں کی محبت تمہیں راہ حق پر چلنے پر رکاوٹ نہ بنیں، اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب نہیں رکھتا ہے تو پھر وہ اللہ کی ناراضگی سے بچ نہیں سکے گا۔

آیت نمبر ۱: هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ لِكَوْنِ الدِّينِ كَلِمَةً ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٣٣﴾

(سورۃ التوبہ: ۳۳)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

الفاظ اور معانی

اَرْسَلَ: اس نے بھیجا	لِيُظْهِرَ: تاکہ غالب کرے اس کو	كَرِهَ: اس نے ناپسند کیا
-----------------------	---------------------------------	--------------------------

تشریح: اس آیت میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی بعثت کا مقصد، ہدایت اور دین اسلام کا مقام اور اس کی اہمیت اور غلبہ و برتری کی خبر اور وعدہ بیان کیا گیا ہے اور یہ خوشخبری اس وقت دی گئی تھی، جب مسلمان بہت کمزور تھے اور بظاہر کسی غلبہ کی امید نہ تھی، بتایا گیا کہ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ (آل عمران: ۱۹)

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی بعثت کے جو مقاصد قرآن مجید و احادیث مبارکہ میں بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک مقصد اس آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو ہدایت اور دین برحق دے کر اس لیے بھیجا ہے کہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کریں، اگرچہ کفار و مشرکوں کو یہ بات ناپسند لگتی ہو۔ چنانچہ اس غلبہ سے دو طرح کا غلبہ مراد ہے:

۱. **معقولیت اور دلیل و حجت کا غلبہ:** جس کا مطلب یہ ہے کہ نظریاتی و علمی مباحث کے ذریعہ دیگر مذاہب کے لوگ مغلوب ہو کر اسلام کی برتری کا اقرار کریں اور اس قسم کا غلبہ تو ہر زمانہ میں موجود رہا ہے۔

۲. **سلطنت اور حکومت کا غلبہ:** اس اعتبار سے کہ کسی مملکت میں یا پوری دنیا میں صرف دین اسلام ہی غالب ہو دیگر ادیان کو کوئی بالادستی حاصل نہ ہو، اس قسم کا غلبہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے دور میں اسلام کو حاصل رہا کہ سرزمین عرب میں اسلام سر بلند ہو دنیا کی سپر پاور سلطنتیں روم و فارس مغلوب ہو گئیں اور پوری دنیا دین اسلام کے نور سے منور ہو گئی۔

لہذا ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا اتباع اور اصول اسلام کی پاسداری اور دین حق کے غلبے کے لیے کام کریں یہ سب کا دینی فریضہ ہے اور اسی میں فلاح دارین ہے۔

سرگرمی ”موجودہ دور میں غلبہ دین کے لیے تجاویز“ باہمی مکالمہ کے بعد نکات کی صورت میں طلبہ سے تحریر کروائیں۔

آیت نمبر ۱۸-۱۹: اذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتِنَتِ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَاللَّهُ كَثِيرٌ أَعْيُنٌ ۗ وَلَكِنَّ صَرَفَ اللَّهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۱۹﴾ (سورۃ الحج: آیت ۳۹، ۴۰)

ترجمہ: جن مسلمانوں سے خواہ مخواہ لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیوں کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ (۳۹) یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے انھوں نے کچھ قصور نہیں کیا ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے گرائی جا چکی ہوتیں۔ اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ قوی اور غالب ہے۔ (۴۰)

الفاظ اور معانی		
اُذِنَ: اجازت دی گئی	أُخْرِجُوا: وہ نکالے گئے	دِيَارٍ: گھر
دَفْعٌ: روکنا	هُدًى مَتَّ: مسما کی گئی	صَوَاعِقُ: خانقاہیں
يَبْعَثُ: کلیسائیں	صَلَوَاتُ: عبادت گاہیں	نَصْرٍ: مدد / فتح

تشریح: ان آیات میں اذن جہاد، مسلمانوں کی امداد کا وعدہ اور مہاجرین کی ہمت افزائی اور قتال کی حکمت کو بیان کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت سے لے کر ہجرت مدینہ تک کے تیرہ برس مسلمانوں اور خود حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے لیے نہایت صبر آزما اور مشکلات والے تھے، جہاں پر تکلیفوں اور سختیوں پر رد عمل کی بجائے صبر و ضبط کا حکم تھا اور کسی قسم کی جوابی کارروائی سے روکا جاتا رہا، مگر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے قیام کے فوراً بعد مسلمانوں کو پہلی ہجری میں ہی اپنی مدافعت کے لیے کفار کا مقابلہ اور

مظلومیت کے خاتمہ، دیگر ادیان پر غلبہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کرنے کی اجازت مل گئی۔ جس کا تذکرہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۸ سے ہوتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ: اسلام کے دشمن ظالم لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کا دفاع کرے گا، مظلوم مسلمانوں کو جہاد کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، جن کو زیادتی کا نشانہ بنا کر صرف اس لیے گھروں سے بے گھر کیا گیا کہ وہ ایک معبود کو مانتے ہیں ان کو جہاد کی اس لیے اجازت دی گئی تاکہ لوگوں کے جان، مال، عزت و ناموس، دین اور عبادت گاہوں کا تقدس فساد کی لوگوں کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ اور مظلوم لوگوں کی مدد اور دادرسی کی جائے۔

ان آیات میں جہاد کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ جتنے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں آئے انھوں نے اپنی اُمتوں کو صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی تعلیم دی اور اقامت دین کے لیے بہت کوششیں کیں اور اس کے لیے عبادت گاہیں بنوائیں مثلاً: عیسائیت میں خانقاہیں / صومعہ، کلیسا / بیچہ۔ یہودی مذہب میں عبادت کے لیے صلوات اور اسلام میں مساجد بنائی گئیں۔ جو لوگ ان آسمانی مذاہب کے مخالف تھے وہ ان کی عبادت گاہوں کے منہدم کرنے کی مہم میں تھے، اس لیے جہاد کے ذریعہ ان کا دفاع کیا جائے۔ پھر مظلوموں کی دادرسی کرنا، فساد یوں اور ناشکرے اور عہد شکنی کرنے والے لوگوں کو سزا دینا، دنیا میں امن و سکون لانا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشش کرنا بھی جہاد کی حکمتوں میں شامل ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اعلاء کلمۃ اللہ، امن امان قائم کرنے اور مظلوموں کی مدد اور دادرسی کے لیے ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہیں۔ تاکہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

آیت نمبر ۲۰: الَّذِينَ اِنْ مَكَتُكُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَآمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللّٰهُ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۰﴾ (سورۃ الحج: آیت ۴۱)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

الفاظ اور معانی		
مَكَّتَا: ہم نے جگہ دی	اَقَامُوا: قائم کریں	الْمَعْرُوْفِ: نیک کام
الْمُنْكَرِ: بُر اکام	عَاقِبَةُ: انجام	الْاُمُوْر: معاملات

تشریح: اس آیت میں مہاجرین کی فضیلت، ان کے اقتدار کی پیشین گوئی، اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں اور دین کے مددگاروں کی صفات و خصوصیات کا ذکر ہے۔ اگر ان کو حکومت ملے تو ایمان، عمل صالح، عبادت گزار، شرک سے پرہیز،

دین حق کے غلبہ کے لیے جدوجہد اور خوف و خطرہ میں ثابت قدم ہوں۔ نیز نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کریں۔ اپنے اختیارات نیکی کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے میں استعمال کریں۔

مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا، جس کے لیے میثاقِ مدینہ کے نام سے پہلا آئین اور دستور بنایا گیا، جس کے مطابق حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اس کے سربراہ اور رعیت کے درمیان صلح صفائی کرانے کے ذمہ دار قرار پائے، اس طرح رعایا کو امن و سکون فراہم کرنا، ان کی تعلیم، صحت اور معاش کا انتظام کرنا بھی ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل رہا، چنانچہ آیت مذکورہ میں ان باتوں کی تاکید کی گئی ہے، کہ جب ایمان والوں کو زمین میں حکومت و اختیار حاصل ہو تو ان کو مندرجہ ذیل باتوں پر خاص طور پر دھیان دینا چاہیے:

نماز قائم کرنا: نماز دین کا ایک اہم رکن اور عبادت ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو جائے اور تزکیہ نفس حاصل ہو جائے۔

زکوٰۃ ادا کرنا: زکوٰۃ کا تعلق براہ راست سماج کی معاشیات سے ہے، اس لیے ریاست کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ معاش کے وسائل پیدا کرے اور لوگوں کی ضروریات کے لیے مناسب انتظامات کرے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: معروف کی معنی ہے ایسی نیکی اور بھلائی والے کام جسے سب اچھا سمجھتے ہوں۔ منکر کی معنی ہے ہر قسم کی بدی یا برائی جسے سب برا اور ناپسندیدہ سمجھیں۔ سماج میں اچھے کاموں کو فروغ دیا جائے اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جو معاشرہ کے لیے کارآمد ثابت ہوں، اسی طرح جن لوگوں سے معاشرہ کے بگاڑ اور فساد کا اندیشہ ہو ان لوگوں کو بدی اور برائی فسق و فجور اور تکبر و غرور سے روکنا، اور ان کے لیے سزائیں اور قوانین نافذ کیے جائیں تاکہ معاشرے میں امن و سکون کا دور دورہ ہو۔

”اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں“ پر بحث و مباحثہ کے بعد اہم نکات طلبہ تحریر کروائیں۔

سرگرمی

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل آیات میں کسی بھی دو آیات کا ترجمہ تحریر کریں:

- هُوَ الَّذِي اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلٰى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْنٰسُ كُوْنُ-
- اٰذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ-
- اَلَّذِيْنَ اِنَّ مَكْتَلِبُهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَتَوْا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْر-

- ۲۔ سورۃ الحج کی آیت ۴۱ میں اسلامی سلطنت کے مقاصد و اہداف اور خوبیاں تحریر کریں۔
- ۳۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ کی روشنی میں ایک سچے مومن کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ) سے کرنی چاہیے۔ وضاحت کریں۔
- ۴۔ غلبہ اقتدار ملنے کے بعد مسلمان حکمرانوں کے فرائض کیا ہوں گے؟ وضاحت کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل الفاظ کی معانی تحریر کریں:

مَكَّنَا	بَيْعٌ	صَوَامِعُ	كِرَاءَةٌ	اِقْتَرَفْتُمْ
----------	--------	-----------	-----------	----------------

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ اور حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے محبت کا معیار کیا ہونا چاہیے؟
- ۲۔ قرآن مجید میں اذن قتال کی حکمت کیا بتائی گئی ہے؟
- ۳۔ مکی دور میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی؟
- ۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے کیا مراد ہے؟
- ۵۔ اللہ تعالیٰ سے مدد ملنے کی چند صورتیں تحریر کریں۔

(د) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ ”بَيْعٌ“ عبادت گاہ ہے:

- (الف) ہندوؤں کی (ب) عیسائیوں کی
(ج) سکھوں کی (د) یہودیوں کی

۲۔ مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی وجہ تھی:

- (الف) بے روزگاری (ب) قحط سالی
(ج) شدید گرم موسم (د) کفار مکہ کے مظالم

۳۔ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی:

- (الف) مجبوری کی حالت میں (ب) خوشی کی حالت میں
(ج) پریشانی کی حالت میں (د) غصہ کی حالت میں

۴۔ مسلمانوں پر کفار مکہ کے مظالم کی وجہ تھی:

- (الف) قومی دشمنی
(ب) خاندانی دشمنی
(ج) سیاسی دشمنی
(د) مذہبی دشمنی
- ۵۔ اقامتِ صلوة و ایتاءِ زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اہتمام کرنے کی ذمہ داری ہے:
- (الف) علماء کی
(ب) حکمرانوں کی
(ج) مجاہدین کی
(د) اساتذہ کی

(الف) حدیث و سنت کا تعارف اور عملی زندگی پر اس کے اثرات

حاصلاتِ تعلم

- حدیث و سنت کا مفہوم اور ان کی اہمیت بیان کر سکیں۔
- حدیث و سنت کا فرق بیان کر سکیں۔
- حدیث و سنت کے عملی زندگی پر اثرات بیان کر سکیں۔

حدیث: لفظ ”حدیث“ کے لغوی معنی خبر، بات چیت اور نئی چیز کے ہیں۔ اصطلاح میں سیدنا حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے قول، فعل (کام) اور تقریر کو حدیث کہا جاتا ہے، اسی طرح حدیث کو ”خبر“ اور ”سنت“ بھی کہا جاتا ہے۔ جب کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے ہم تک جن لوگوں نے یہ احادیث بیان کی ہیں ان کو ”راوی“ اور راویوں کے سلسلے کو ”سند حدیث“ کہا جاتا ہے اور حدیث کی عبارت کو ”متن“ کہا جاتا ہے۔

حدیث کی اقسام: حدیث کی چار قسمیں ہیں (۱) حدیث قولی (۲) حدیث فعلی (۳) حدیث تقریری (۴) حدیث قدسی۔

حدیث قولی: حدیث قولی کا مطلب ہے جس میں حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے کسی قول یا فرمان کو بیان کیا جائے جو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اپنی زبان مبارک سے اس طرح فرمایا ہے۔ جیسا کہ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ أَفْشُوا السَّلَامَ سَلَامًا كَوَامٍ كَرُو۔

(سنن ترمذی، حدیث: ۱۸۵۴)

حدیث فعلی: حدیث فعلی کا مطلب ہے جس میں حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے کسی اختیار کردہ عمل اور طریقہ کو بیان کیا گیا ہو کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اس طرح کیا۔ جیسا کہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بکری کا دودھ نکال کر نوش فرمایا اور پھر پانی سے کھلی کی (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۹۹)

حدیث تقریری: حدیث تقریری کا مطلب ہے جس میں کسی صحابی نے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی موجودگی میں کوئی کام سرانجام دیا یا جس کام کا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو علم ہوا لیکن آپ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اس کو اس کام سے نہ منع فرمایا، نہ ہی اس کی تعریف کی بلکہ سکوت فرمایا یا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اجازت دی یا اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہو۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میرا ایک چھوٹا بھائی ” ابو عمیر“ تھا جس نے بلبل پال رکھا تھا اور وہ اس سے کھیلا کرتا تھا حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ہمارے گھر میں اکثر آتے رہتے تھے لیکن آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے کبھی اس بلبل کو پالنے اور قید رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۶۱۲۹، صحیح مسلم: ۲۱۵۰)

حدیث قدسی: حدیث قدسی کا مطلب ہے جس میں معنی اور مفہوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ سیدنا حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللهُ: أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أَنْفِقْ عَلَيْكَ تَرْجَمَهُ: اللهُ تَعَالَى نَعَى فرمایا: اے اولادِ آدم! تم (میرے بندوں) پر خرچ کرو تو میں تمہارے اوپر خرچ کروں گا۔ (صحیح بخاری: ۵۳۵۲)۔

سنت: ”سنت“ کے لغوی معنی ”طریقہ“ اور ”راستہ“ کے ہیں۔ اصطلاح میں حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی زندگی گزارنے کے اختیار کردہ طریقہ کو کہا جاتا ہے اور اس عمل کو نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بار بار کیا ہو۔ سنت کو قرآن کریم نے ”اسوہ حسنہ“ کے نام سے بیان کیا ہے۔

حدیث و سنت کی اہمیت: اسلام میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین کامل رکھنا ضروری ہے اسی طرح حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی رسالت پر ایمان لانا بھی اہم ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کو سب سے بہتر نمونہ عمل سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات پورے کیے جائیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: تَرْجَمَهُ: اللهُ تَعَالَى نَعَى فرمایا: تمہارے لیے پیغمبر کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے (سورۃ الاحزاب: ۲۱)۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی مبارک ہستی ہمارے لیے ہر وقت مشعلِ راہ اور نمونہ عمل ہے، ہماری فلاح تب ممکن ہے جب ہم اپنی سیرت و کردار و عمل کو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ میں ڈھال لیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ہدایات و تعلیمات کو اپنائیں، یہ ہدایات حدیث و سنت کی شکل میں موجود ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۗ (سورۃ الاحشور: ۷) ترجمہ: اور رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ تمہیں جو بھی دیں وہ لے لو، اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ اس آیت کریمہ میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے تمام احکامات و تعلیمات کو قبول کرنے اور منع کردہ

چیزوں سے رک جانے کا امت کو واضح حکم ہے۔ ایک حدیث میں حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ترجمہ: جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما، اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ (حلیۃ الاولیاء للصابہانی، ج ۸، ص ۲۰۰)

حدیث و سنت کی ہماری زندگیوں میں اس لیے بھی بہت اہمیت ہے کہ سنت و حدیث ہی حقیقت میں احکامات قرآن کی توضیح اور تشریح ہیں، چنانچہ قرآن کریم میں بے شمار ایسے احکامات ہیں جن کا تعین، تشریح نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے بغیر ناممکن ہے مثلاً: نماز کی رکعات کی تعداد اور ارکان و سنن و تسبیحات وغیرہ۔ روزہ کی حالت میں کن چیزوں سے بچنا چاہیے، زکوٰۃ کا نصاب اور اموال زکوٰۃ سے کیا مراد ہے۔ حج کے مناسک کس طرح ادا کرنے چاہئیں؟ ان تمام عبادتوں کو اپنی زندگی میں عملی طور پر کیسے ادا کیا جائے؟ ان کے جوابات ہمیں صرف حدیث و سنت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اور حیات طیبہ کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت اور اتباع سنت میں سب سے بڑھ کر تھے، ان کو یہ بات بہت پسند تھی کہ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سفر میں ہوں یا حضر میں، کہاں اور کس انداز سے اپنے کام سرانجام دیتے ہیں، چنانچہ وہ بھی اسی کام کو اسی انداز سے ادا کرتے اور سنت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی پیروی کرتے تھے۔

حدیث اور سنت کا فرق: ”حدیث“ اور ”سنت“ کم و بیش ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتی ہیں صرف معمولی سا فرق ہے۔ یعنی حدیث عموماً قول کے لیے اور سنت فعل و عمل کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

قرآن و سنت کا باہمی تعلق: قرآن مجید ”متن“ کی حیثیت رکھتا ہے اور سنت و حدیث ”شرح“ کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو قرآن مجید کا مبلغ، شارح اور معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پیغمبر کا صرف یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ احکام الہی لوگوں کو زبانی سنادیں، بلکہ ان کے فرائض منصبی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ ان احکام خداوندی کے مفاہم اور فوائد و حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے ان کی عملی تشریح بھی امت کے سامنے پیش کر کے دکھائیں۔ اور اس صراط مستقیم پر خود چل کر عملی نمونہ لوگوں کو سمجھائیں۔ تاکہ لوگ احکام الہی کی تعمیل میں کسی قسم کی کمی و کوتاہی سے بچ جائیں۔

حدیث و سنت کے عملی زندگی پر اثرات: انسانی زندگی پر حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی سنت کے نہایت اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو سنت نبوی کے لازمی نتائج شمار ہوں گے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ باتیں بیان کی جاتی ہیں:

- آدمی اپنی ضروریات اور اعمال کو بہر حال پورا کرنے کی جدوجہد کرتا ہے، پس اگر ان اعمال میں سنت نبوی کا اہتمام ہو گا تو یہ اعمال عبادت شمار ہوں گے۔ مثلاً: کھانا پینا انسان کی ضرورت ہے، اگر سنت کی نیت سے باادب ہو کر دسترخوان پر اکٹھے بیٹھ کر اجتماعی کھانے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کھانا بھی عبادت ہے۔
- سنت نبوی کے اہتمام سے انسانی صحت اور ماحول کی بہتری کا سامان میسر ہو گا، کیوں کہ سنت نبوی حلال و پسندیدہ چیزوں کے استعمال کرنے اور پاکیزگی و صفائی کا درس دیتی ہے جس سے تمام بیماریوں کا سدباب ہو گا۔
- سنت نبوی کی پیروی اختلافات کو دور کرتے ہوئے اتحاد و یکجہتی پیدا کرتی ہے، تمام لوگوں کو عملی زندگی گزارنے کا مشترکہ دستور ملنے سے ان میں نا اتفاقی کا رجحان کمزور پڑ جاتا ہے۔
- سنت نبوی کے اتباع سے باطل اور شیطانی راہوں کی روک تھام ہوتی ہے، حق اور نیکی کے ماحول کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ جس سے تمام سماجی اور اخلاقی برائیوں کا سدباب ہوتا ہے۔
- بہت سارے مسائل میں سائنس نے بھی سنت کی تائید کی ہے اگرچہ سنت کو سائنس کی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔

- ہمارے موجودہ ماحول میں سنت نبوی کے ہماری عملی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ استاد کی نگرانی میں نکات تحریر کریں۔
- حدیث قولی، فعلی، تقریری اور قدسی کی تعریف مثالوں کے ساتھ شیٹ پر لکھ کر کلاس میں آویزاں کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ حدیث و سنت پر مضمون تحریر کریں۔
- ۲۔ حدیث کی اقسام پر نوٹ تحریر کریں۔
- ۳۔ ہماری زندگی پر سنت سے مرتب ہونے والے اثرات پر نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ سنت سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم کی روشنی میں تحریر کریں؟
- ۲۔ حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی تحریر کریں۔

- ۳۔ سنت کے لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہیں؟
- ۴۔ ”اسوہ“ کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی کیا ہیں؟
- ۵۔ متن حدیث کسے کہتے ہیں۔
- ۶۔ سند حدیث کی تشریح کریں۔
- ۷۔ ”راوی“ سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کریں۔
- ۸۔ حدیث ”جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے“ وضاحت کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ سنت کے لغوی معنی ہیں:

- (الف) بات چیت (ب) قانون
- (ج) رسم و رواج (د) طریقہ

۲۔ مفہوم اللہ تعالیٰ کا اور الفاظ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ہوں تو وہ حدیث کہلاتی ہے:

- (الف) تقریری (ب) فعلی
- (ج) قولی (د) قدسی

۳۔ حدیث کے مفہوم کو ظاہر کرتا ہے لفظ:

- (الف) سنت (ب) عقل
- (ج) قیاس (د) اجماع

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ طلبہ و طالبات میں سنت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اور جدید سائنس کے عنوان پر کلاس میں تقریری مقابلہ کروائیں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

(ب) ۱۔ منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح: حدیث اتا ۵

حدیث (۱): خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۵۰۲۷)

ترجمہ: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

تشریح: اس حدیث میں قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے (معلم و متعلم) کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم اللہ جل جلالہ کی آخری مقدس کتاب ہے جو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر نازل ہوئی، جو کہ انسانوں کے لیے تاقیامت ضابطہ حیات ہے۔ یہ وہ مبارک کتاب ہے، جس کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے، جس طرح تمام عالم میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، اسی طرح تمام کلام و کتب میں قرآن کریم اعلیٰ اور اتم ہے، اس میں ہمارے نفع و نقصان اور فوز و فلاح کی سب باتیں لکھی ہوئی ہیں، لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کریم کو اخلاص کے ساتھ پڑھیں جس کے ساتھ فہم و تدبر اور غور و فکر بھی ہو، دوسروں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں، اس کی دعوت کو لوگوں تک پہنچائیں۔ اور خود عمل کریں اس کے مطابق عمل کرنے میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

حدیث (۲): أَفْضَلُ الدِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۳۳۸۳)

ترجمہ: سب سے بہتر ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے، اور سب سے بہتر دعا الْحَمْدُ لِلَّهِ کہنا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر و دعا کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ”ذکر اللہ“ اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوت قرآن اور دعا و استغفار سب کو شامل ہے۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان کرنے کو ”ذکر اللہ“ کہا جاتا ہے۔ ”دعا“ کسی کم تر کا اپنے برتر سے کچھ مانگنا اور مانگنے پر اظہار عاجزی کرنا دعا کہلاتا ہے، دعا سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق ماننے ہوئے اس کی بارگاہ میں التجا کرنا اور درخواست پیش کرنا۔ دعا حصول مقصد کا ایک وسیلہ ہے یعنی بندہ جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتا ہے اسی طرح کی ایک کوشش دعا بھی ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کلمہ صرف اکیسے اللہ تعالیٰ کو معبود ماننے کی تلقین کرتا ہے اس لیے اس کو ”کلمہ توحید اور کلمہ ایمان“ کہا جاتا ہے۔ تمام اذکار میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو افضل ذکر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کلمات تمام صفات کمال کا جامع اور عظمت و کبریائی میں برتر ہیں۔ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر ہیں۔ نیز اس کو دل کے یقین اور سچائی کے ساتھ اقرار و اعتراف کرنے کے باعث آدمی اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور جنت میں داخل ہونے کا حق دار بن جاتا ہے۔ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ یہ بھی اگرچہ ذکر کا کلمہ ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک دعا بھی ہے کیوں کہ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ کی برکت اور تاثیر سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور گناہ مٹ جاتے ہیں۔ چونکہ ذکر و دعا اللہ تعالیٰ کے قرب خصوصی کے حصول کا ذریعہ ہیں لہذا ہمیں چاہیے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ذکر و دعا کا عنصر غالب اور نمایاں کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب خصوصی حاصل کر سکیں۔

حدیث (۳): مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۶۸۱)

ترجمہ: جس شخص نے کسی سے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا، اللہ ہی کے لیے دیا، اور اللہ ہی کے لیے روکا، پس بیشک اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔

تشریح: اس حدیث میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بندہ مومن کے لیے ایسے چار اصول بتائے ہیں جو تکمیل ایمان کا باعث ہیں۔ محبت کرنا اور بغض رکھنا دونوں فطری عمل ہیں، لیکن دونوں کا تعلق دل سے ہوتا ہے، اسی طرح لوگوں کو مالی فائدہ پہنچانا اور کچھ دینا یا محروم رکھنا، اعضاء ظاہری کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو کہ انسان کا ظاہر ہے۔ اس لیے حدیث مبارکہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کامل مومن اس وقت بنتا ہے جب اس کے باطنی اعمال اور ظاہری اعمال خالص اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لیے ہوں، ان میں ریاء اور دکھاوے کی آمیزش نہ ہو اور دل خود غرضی سے پاک ہو، پھر خاص طور پر محبت، عداوت اور انفاق فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی منشا اور رضا کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔ یہی کامل ایمان کی نشانی ہے۔

حدیث (۴): أَوْلَى النَّاسِ بِئِیَوْمِ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَدَى صَلَاةٍ۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۴۸۴)

ترجمہ: قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہو گا جو کہ مجھ پر سب سے زیادہ درود شریف بھیجنے والا ہو گا۔

تشریح: اس حدیث میں درود شریف کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا وجود مسعود ہم تمام انسانوں کے لیے باعثِ برکت اور سعادت مندی ہے۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ہی کی بدولت ہمیں دینِ اسلام کی پہچان ملی۔ درود شریف اور سلام اصل میں ایک تحفہ ہے، جس کو مسلمان اپنے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ درجہ کی دعا ہے جو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ذات پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور محبت کے اظہار کے لیے آپ کے حق میں کی جاتی ہے۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے بے انتہا محبت کریں، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی سیرت اور سنت پر عمل کریں اور آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کریں اور آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا نذرانہ پیش کریں اور آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے لیے کثرت سے ”درود شریف“ پڑھنے کا اہتمام کریں تاکہ ہمیں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا روحانی قرب حاصل ہو اور حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی شفاعت کے بھی حقدار ہو جائیں۔

سرگرمی دور درود شریف کے فضائل پر تقریر کروائیں۔

حدیث (۵): لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۱۵)

ترجمہ: تم میں سے کسی کا بھی ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو گا جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

تشریح: اس حدیث میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے محبت کو علامتِ ایمان بتایا گیا ہے۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے محبت کرنے میں تمام اقسام کی محبتیں جو ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح ہوتی ہیں، دوسرے طبعی اسباب یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں سب شامل ہیں یعنی حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ اختیاری محبت رکھ کر جب تک بندہ اپنی خواہشات، اپنی مرضی، اپنا مال، اولاد اور اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ اور آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے احکامات کے سامنے قربان نہ کر دے اس وقت تک وہ کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس بات کی توثیق آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ایک اور حدیث سے بھی

ہوتی ہے، جس میں آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں: ”تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس شریعت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لا کر آیا ہوں۔“

(شرح السنۃ للبعوی، ج ۱، ص ۲۱۲-۲۱۳)



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث کا ترجمہ تحریر کریں۔

• خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔

• اَوَّلَى النَّاسِ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً۔

۲۔ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدَيْهِ وَوَلَدَيْهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ کی تشریح تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ ذکر اللہ سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

۲۔ تکمیل ایمان کے چار اصول بیان کریں۔

۳۔ لا الہ الا اللہ کو افضل ذکر کیوں کہا گیا ہے؟

۴۔ دعا سے کیا مراد ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حدیث میں افضل ذکر کہا گیا ہے:

(الف) سبحان اللہ کو (ب) الحمد للہ کو

(ج) اللہ اکبر کو (د) لا الہ الا اللہ کو

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ”التجا کرنا“ کہلاتا ہے:

(الف) حمد (ب) ذکر

(ج) دعا (د) صلوة

۳۔ اطمینان قلب کا ذریعہ ہے:

(الف) شکر (ب) صبر

(ج) ذکر (د) سخا

(ب) ۲۔ منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح: حدیث ۱۰ تا ۱۰

حدیث (۶): **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ**۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۲۴)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تشریح: اس حدیث میں علم کی اہمیت و فضیلت بتائی گئی ہے۔ موجودہ دور میں ہر قسم کی معلومات جاننے اور ہر طرح کے علوم و فنون کے بارے میں دسترس رکھنے کو ”علم“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ ابتدائے اسلام میں ”علم“ سے خاص طور پر قرآن و حدیث کا علم مراد لیا جاتا تھا، جس کے ذریعے اپنے خالق و مالک کا قرب حاصل ہو سکے اور ہر اچھے اور برے کی پہچان ہو سکے تاکہ اعمال صالحہ کے بجالانے کی کوشش کی جاسکے اور معاصی سے اجتناب کیا جاسکے۔

علم کی دو حیثیتیں ہیں:

(۱) **فرض عین:** ہر آدمی چاہے مرد ہو یا عورت کو اتنا علم سیکھنا ہے، جس کے ذریعہ وہ عقیدہ کی ضروری باتیں، حلال و حرام، پاک و ناپاک اور اپنی ذمہ داریوں کی پہچان کر سکے۔

(۲) **فرض کفایہ:** دین کا مکمل علم حاصل کرنا اور دنیاوی علوم و فنون کا حصول فرض کفایہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں انفرادی اور اجتماعی طور پر علم کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اس میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں تاکہ وہ آئندہ کے نسلوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کریں تاکہ اسلام کا مطلوب صالح معاشرہ تکمیل پاسکے۔

لہذا ہمیں علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس کے ذریعہ مفید اشیاء کو حاصل کریں اور مضر چیزوں سے اجتناب کریں تاکہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

حدیث (۷): **الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ**۔ (الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشترکہ للسیوطی، ج: ۲۸۰)

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نماز کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے اور نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ”الصَّلَاةُ“ کا لفظ ”درد شریف“ اور ”نماز پڑھنے“ کے لیے استعمال ہوا ہے، تاہم نماز کے معنی میں سب سے زیادہ آیا

ہے، ہر عاقل بالغ، مسلمان مرد اور عورت پر پانچ وقت کی نماز ادا کرنا فرض ہے۔ نماز کے ذریعہ بندہ کا تعلق اور رابطہ اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے۔ نماز ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کی رحمت و رضا حاصل ہوتی ہے، جو نماز ترک کرتا ہے اس کا رابطہ اور تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے کئی جگہ اس کے اہتمام کا حکم دیا ہے۔ مثلاً: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ (البقرہ: ۴۳)۔ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے: ۱۔ توحید و رسالت کی گواہی دینا۔ ۲۔ نماز قائم کرنا۔ ۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ۴۔ رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور ۵۔ بیت اللہ کعبہ حج کرنا۔ (متفق علیہ)۔ لہذا ہمیں پانچ وقت نماز کو اہتمام کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرنا چاہیے تاکہ ہمارا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور رابطہ مضبوط ہو اور قرب و رحمت خداوندی حاصل ہو۔

حدیث (۸): مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۳۸)

ترجمہ: جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے جذبے سے رکھے (اس کے سبب) اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں رمضان کے روزے فرض ہونا، رمضان کے روزوں کی اہمیت اور روزہ کا باعث مغفرت ہونا بیان کیا گیا ہے۔ رمضان کے روزے رکھنا اسلام کا اہم رکن ہے۔ جو سن دو ہجری میں فرض ہوا۔ رمضان کے مہینے میں ہر عاقل بالغ، مقیم اور تندرست آدمی پر روزے رکھنا فرض ہیں۔ روزہ بہت بڑی عبادت ہے جس کے ذریعے تقویٰ پیدا ہوتی ہے۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے۔ (سنن نسائی: ۲۲۲۴)۔ روزہ رکھنے سے انسان کی صحت بہتر رہتی ہے اور دوسرے ضرورت مندوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

سرگرمی ”روزہ کے فوائد“ طلبہ سے نکات میں تحریر کروائیں۔

حدیث (۹): رِبَاطٌ يَوْمٌ وَ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۹۱۳)

ترجمہ: ایک دن یا ایک رات جہاد میں بسر کرنا ایک مہینے کے روزے اور نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اسلامی ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے، کہ مورچہ بند ہو کر ملکی سرحدوں کی حفاظت و نگرانی کرنا بھی جہاد شمار کیا گیا ہے۔ اور ان تمام کاموں کو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سرانجام دیتے ہیں، ایسے مجاہدین اور اسلامی ممالک کے جانبازوں کے لیے بڑا اجر و ثواب ہے، چنانچہ اس حدیث میں بتایا گیا

ہے کہ مورچہ بند اسلامی مجاہد اگر ایک دن یا ایک رات سرحدوں کا دفاع کرتے ہیں تو ان کو مہینہ بھر دن کے روزوں اور راتوں کے تہجد سے بہتر ثواب ملتا ہے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد، وطن اور وطن کی سرحدوں کی حفاظت کے جذبے سے سرشار ہوں۔ تاکہ اسلام، ملک اور وطن پر کوئی میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے اور دین کا اعزاز بھی قائم رہے، اسی میں ہی فلاح دارین ہے۔

حدیث (۱۰): كُنْكُمْ رَاعٍ وَ كُنْكُمْ مَسْئُولًا عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ (صحیح البخاری، حدیث: ۸۹۳)

ترجمہ: تم سب نگران ہو، اور تم سے تمہاری نگرانی میں موجود افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

تشریح: اس حدیث میں ہر آدمی کو نگران قرار دیا گیا ہے۔ نگران ہر وہ آدمی ہے جس کو سماجی طور پر یا دنیاوی اعتبار سے کچھ امور کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور اس کے ماتحت رہنے والے محکوم افراد کو رعیت کہا جاتا ہے۔ نگران کے فرائض منصبی میں سے یہ ہے کہ وہ ان کی تربیت و اصلاح کا ذمہ دار ہے، یعنی کہ ان میں سے ہر ایک کو ادب سکھائے اور ان کو ٹھیک حالت میں رکھے۔ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک آدمی اپنے اعمال کا حساب کتاب تو دے گا ہی، لیکن اگر کسی کے پاس دنیا میں کوئی عہدہ یا منصب یا ذمہ داری تھی تو اس کے ماتحتوں کے بارے میں بھی اس سے باز پرس ہوگی۔ چنانچہ بادشاہ سے اس کی پوری قوم کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ ان کے ساتھ انصاف کیا، ان کے حقوق پورے کیے، ان کے جان و مال کا تحفظ کیا یا نہیں۔ بیوی سے گھر کے متعلق، شوہر سے بیوی بچوں اور ان کی بہتر کفالت، تعلیم و تربیت کے متعلق، کوئی ملازم یا عہدیدار ہے تو اس سے متعلقہ امور کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ استاد سے کلاس میں شاگردوں کے متعلق باز پرس ہوگی، پھر اس کے جواب کے مطابق اس سے معاملہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ہر انسان سے اپنے اعضاء کے متعلق بھی پوچھا جائے گا کہ ان کو کہاں پر استعمال کیا یا تو انعام کا حقدار ہو گا یا سزا کا۔ چنانچہ تمام لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اپنے ماتحتوں اور معاشرے کے کمزور لوگوں کے حقوق اہتمام سے سرانجام دیں اور ان کے حقوق پر دست اندازی سے پرہیز کریں۔

سرگرمی استاد اور طلبہ کی ذمہ داریوں کی تفصیل باہمی مباحثہ کے بعد نکات کی صورت میں طلبہ سے تیار کروائیں۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی بھی ایک حدیث کا ترجمہ و تشریح تحریر کریں۔
 - طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔
 - الصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّينِ۔
- ۲۔ كَلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ کی تشریح تحریر کریں۔
- ۳۔ حدیث رَبَاطِ يَوْمِ ذِكْرَى کی روشنی میں وطن کے سرحدوں کی حفاظت کی فضیلت و اہمیت بیان کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ علم کی دو حیثیتیں کون سی ہیں؟ تحریر کریں۔
- ۲۔ اسلام کی بنیاد کن باتوں پر ہے؟
- ۳۔ روزہ کی فضیلت کے متعلق کوئی ایک حدیث تحریر کریں۔
- ۴۔ روزہ کن لوگوں پر فرض ہے؟ بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ ”دین کا مکمل علم حاصل کرنا“ ہے:

- | | | | |
|-------|---------|-----|-----------|
| (الف) | فرض عین | (ب) | فرض کفایہ |
| (ج) | سنت | (د) | مستحب |

۲۔ حدیث میں ”دین کا ستون“ کہا گیا ہے:

- | | | | |
|-------|---------|-----|----------|
| (الف) | روزہ کو | (ب) | زکوٰۃ کو |
| (ج) | حج کو | (د) | نماز کو |

۳۔ حدیث میں ”جہنم کی آگ سے ڈھال“ قرار دیا گیا ہے:

- | | | | |
|-------|---------|-----|----------|
| (الف) | نماز کو | (ب) | زکوٰۃ کو |
| (ج) | روزہ کو | (د) | حج کو |

(ب) ۳۔ منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح: حدیث ۱۱ تا ۱۵

حدیث (۱۱): أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۶۸۲)

ترجمہ: تم میں سے مکمل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق دوسروں سے اچھے ہوں۔

تشریح: اس حدیث میں اچھے اخلاق کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ”اچھے اخلاق“ کو کمال ایمان کی شرط بتایا گیا ہے، ایمان و اخلاق کے گہرے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔

حسن اخلاق: زندگی گزارنے میں دین کے اصول و ضوابط کو بجالانا، اوروں کو تکلیف دینے کے بجائے ان سے اچھا برتاؤ کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا اور ان کی مالی مدد کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے سرانجام دینے تو یہ ”حسن اخلاق“ کہلاتا ہے۔ حسن اخلاق کو اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جو اچھے اخلاق والے ہیں“ (مسند احمد، حدیث: ۶۷۳۵)۔ بسا اوقات آدمی نفلی عبادات کے اعتبار سے سست لگتا ہے تاہم اللہ تعالیٰ کے یہاں ”حسن اخلاق“ کے بدلے بلند مرتبہ پالیتا ہے۔

سرگرمی حسن سلوک / اخلاقِ حسنہ کے فوائد پر باہمی مذاکرہ کے بعد طلبہ سے نکات تحریر کروائیں۔

حدیث (۱۲): خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔ (الجامع الکبیر للسیوطی، ج: ۱۱ ص: ۶۰)

ترجمہ: بہترین انسان وہ ہے جو انسانوں کو زیادہ نفع پہنچائے۔

تشریح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ”لوگوں کے لیے نفع بخش ہونا“ آدمی کے بہتر ہونے کے لیے ضروری ہے۔ انسان کی بہتری کا دار و مدار لوگوں کے نفع مند ہونے پر موقوف ہے۔ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم نے ایسے آدمی کو پسندیدہ بندہ شمار کیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق انسانوں، چرند، پرند، حشرات اور ہر ایک کو نفع پہنچائے، ان کو تکلیف نہ پہنچائے بلکہ اپنی طرف سے ان کو حتی الامکان نفع پہنچائے، ان کے کھانے پینے اور دیگر سہولتوں کا انتظام کرے۔ اس مذکورہ حدیث میں سب سے اچھے انسان ہونے کی علامت بتائی گئی ہے کہ ”سب سے اچھا شخص وہ ہے جو دوسرے لوگوں (چاہے مسلم ہوں یا غیر مسلم) کے لیے فائدہ مند ہو۔“

سرگرمی ”دوسروں کے لیے نفع مند ہونے کے نکات“ باہمی بحث و مباحثہ کے بعد طلبہ سے تحریر کروائیں۔

حدیث (۱۳): كَيْسٌ مِّثْمَانٌ لَّمْ يَبْرَحْ صَغِيرًا وَكَمْ يُوقِرُ كَبِيرًا۔ (سنن الترمذی، حدیث: ۱۹۱۹)

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت و تکریم نہ کرے۔

تشریح: اس حدیث میں بزرگوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اسلام نے انسانوں کو بے حد عزت و اکرام بخشا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔ (سورۃ الاسراء: ۷۰) تمام مومنوں کو آپس میں بھائی بھائی کہا گیا ہے، رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوستوں اور مسافروں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی ہے نیز اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوسرے لوگوں سے نیکی اور حسن معاشرت کے اہتمام کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ ایک پر امن اور صالح معاشرہ تشکیل پائے۔ بالخصوص چھوٹے بچوں سے محبت کرنا، ان سے محبت و شفقت سے پیش آنا، ان کے حقوق ادا کرنا، ساتھ ہی بزرگوں کی تعظیم اور توقیر بجالانا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ روزمرہ کی زندگی میں ہمہ وقت دوسرے لوگوں سے نیکی اور حسن معاشرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بچوں پر رحمت و شفقت اور بزرگوں کی تعظیم و توقیر کریں۔

حدیث (۱۴): لَعْنُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِيَّ وَالْمُرْتَشِيَّ۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۵۷۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں راشی (رشوت دینے والا)، مرتشی (رشوت لینے والا) اور رشوت کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں ان دونوں کے درمیان ترجمانی کرنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔ (مسند احمد: ۲۲۳۹۹)۔ رشوت: ہر وہ رقم یا عوض ہے جس کے ذریعہ کسی کا حق مارا جائے یا وہ رقم کسی ظلم کے عوض سے لی جائے، ناجائز نذرانہ وغیرہ۔ رشوت لینا اور دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔

رشوت کا سلسلہ اسی وقت کسی قوم میں عام ہو جاتا ہے، جب عدل و انصاف اور مروت ختم ہو جائے اور انسانوں کے جائز حقوق ملنے کی راہ میں ظالم اہل کاروں کے ناجائز مطالبے حائل ہو جائیں، یا کمائی کے حصول میں کسی حق دار کا حق مارا جائے اور لوگوں کو ان کے حقوق و مراعات جائز طریقے سے نہ مل سکیں۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (سنن نسائی: ۲۶۳۱)

سرگرمی رشوت کے دنیوی نقصانات۔ باہمی مکالمہ کے بعد طلبہ سے نکات تحریر کروائیں۔

حدیث (۱۵): اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلَى - (سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۶۳۵)

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

تشریح: اس حدیث میں فی سبیل اللہ دینے والے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حدیث میں اَلْيَدُ الْعُلْيَا سے مراد دینے والا ہاتھ ہے اور اَلْيَدِ السُّفْلَى سے مراد لینے والا ہاتھ ہے۔ ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ آدمی خرچ کرتا ہے اس کو ”صدقہ“، ”خیرات“ اور ”انفاق فی سبیل اللہ“ کہا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی عبادت ہے۔ اوپر والا ہاتھ جو، ضرورت مندوں کو ضرورت کی چیزیں مہیا کرتا ہے، جُود و سخا کرتا ہے، وہ نیچے والے ہاتھ سے اچھا ہے۔ اور اس کا مقام بہت اونچا اور بلند ہے اس ہاتھ سے جس ہاتھ کے ذریعہ دوسروں سے سوال کیا جائے، اپنی حاجتیں مانگی جائیں، وہ نچلا ہاتھ اور ذلت کا باعث ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم کو جہاں تک ہو سکے سخاوت کرنے والے، دوسروں کو دینے اور دوسروں کے کام آنے والا بنیں، نہ گداگر اور دوسرے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے سائل بنیں جو کہ ایک گھٹی بات ہے، اور کسی شخص پر بار بن کر زندگی نہ گزاریں ایسے کاموں سے بچیں تاکہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی بھی دو احادیث کا ترجمہ و تشریح تحریر کریں۔

• اَكْبَلُ السُّومَنِينَ اِيْمَانًا اَحْسَنَهُمْ خُلُقًا۔

• خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ۔

• اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلَى۔

۲۔ ”رشوت“ کے نقصانات پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ ”حسن اخلاق“ سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

۲۔ اچھے انسان کی کیا علامات ہیں؟ تحریر کریں۔

۳۔ رشوت کسے کہتے ہیں؟ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حدیث میں جو انسانوں کو زیادہ نفع پہنچائے اس کو کہا گیا ہے:

(الف) افضل الناس (ب) اکرم الناس

(ج) خیر الناس (د) احب الناس

۲۔ حدیث میں لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے:

(الف) چغل خور کو (ب) غیبت کرنے والے کو

(ج) بہتان لگانے والے کو (د) رشوت لینے والے کو

۳۔ حدیث میں ”اوپر والے ہاتھ“ کو بہتر کہا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ:

(الف) دینے والا ہے (ب) لینے والا ہے

(ج) سوال کرنے والا ہے (د) بخل کرنے والا ہے

(ب) ۴۔ منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح: حدیث ۱۶ تا ۲۰

حدیث (۱۶): مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرُفْثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وُلِدَتْهُ أُمُّهُ۔ (صحیح البخاری: ۱۵۲۱)

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے حج کیا اور پھر نہ اس نے بدکلامی اور گالی گلوچ کی نہ ہی کوئی گناہ کیا تو وہ حج سے اس دن کی طرح واپس ہو گا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

تشریح: اس حدیث میں حج کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ حج ارکان اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے، جو عاقل بالغ، صحت مند اور صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ حج بھی تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: ”عمرے اور حج کو بار بار (نفل عبادت کے طور پر) ادا کرو یہ دونوں گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جیسے (لوہار اور سنار کی بھٹی) لوہے، سونے اور چاندی سے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہے، اور حج مبرور (گناہوں سے پاک) کا ثواب تو جنت ہی ہے“ (سنن نسائی: ۲۶۳۱)۔ اور اس حدیث میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ آدمی حج کے دوران صبر کا مظاہرہ کرے، بیہودہ فحش کلام خاص طور پر شہوت کی باتیں، بدکلامی، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی قسم کی نافرمانی جو فسق کی حد میں آتی ہو، غیر قانونی و غیر شرعی کاموں اور لڑائی جھگڑے اور گناہوں سے باز رہے اور حقوق اللہ میں کوتاہی کی معافی اور حقوق العباد میں کوتاہی کی تلافی کر لے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جائے گا۔ جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔

حدیث (۱۷): لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ: يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهِ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُسَبِّحُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُودُهُ

إِذَا مَرَضَ، وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۲۷۳۶)

ترجمہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: ۱۔ جب وہ کسی مسلمان سے ملے تو وہ اسے سلام کرے ۲۔ اور جب وہ اسے دعوت دے تو وہ اسے قبول کرے ۳۔ اور جب اسے چھینک آئے تو وہ یزحک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے ۴۔ اور جب وہ بیمار ہو تو وہ اس کی عیادت کرے ۵۔ اور جب اس کا انتقال ہو تو وہ اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو اور جنازے کے ساتھ ساتھ چلے ۶۔ اور جو کچھ وہ اپنے لیے پسند کرے وہ اس کے لیے بھی پسند کرے۔

تشریح: اس حدیث میں روزمرہ کی عملی زندگی میں مسلمان کے مسلمان کے اوپر اسلامی رشتے اور معاشرے کے چند چھ خاص باہمی حقوق کی ادائیگی کی تلقین بیان کی گئی ہے۔ جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق پیدا ہوتا ہے اور اس کی نشوونما ہوتی ہے، اس لیے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ترجمہ: مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات: ۱۰) اسلام نے ان کے رشتہ اخوت کو اور مضبوط بنا دیا۔ چنانچہ اسلام یہی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ محبت و الفت قائم اور دائم رہے تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے خیر خواہ اور پورے سماج کے لیے کارآمد بن سکیں۔

سرگرمی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق طلباء سے تحریر کروائیں۔

حدیث (۱۸): اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصَّيْلِينِ۔ (کنز العمال، حدیث: ۲۸۶۹۷، ۲۸۶۹۸)

ترجمہ: علم حاصل کرو اگرچہ ملک چین سے ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث میں علم کی عظمت اور اس کی ضرورت بیان کی گئی ہے۔ انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے کہ انسان کو اپنی ذات اور کائنات کے متعلق ہر اچھی اور بری بات کا علم ہو۔ اور علم کے بغیر انسان دنیا میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اور علم کے حصول کے لیے محنت، جدوجہد اور مشقت برداشت کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر علم میں پختگی اور عمدگی نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے لیے اگر سفر کی مشقت سامنے آجائے تو اس کو برداشت کرے۔ پہلے دور کے بہت بڑے محدثین، علماء اور سائنسدان علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے علمی سفر کیا کرتے تھے اور سفر و ہجرت کی مشقتیں برداشت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ علوم و فنون کے حصول کے لیے ہم کو ملک چین بھی جانا پڑے تو وہاں بھی جا کر علم حاصل کرنے میں تکلیف و مشقت کو برداشت کریں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ علم کے حصول کے لیے بے انتہا محنت کریں اگرچہ دور دراز علاقوں کی طرف سفر کرنا پڑے تو بھی سفر اور مشقت برداشت کریں تاکہ دینی اور دنیوی ترقی حاصل کر سکیں۔

سرگرمی ”حصول علم کی راہیں“ طلبہ سے نکات باہمی مذاکرہ کے بعد تحریر کروائیں۔

حدیث (۱۹): إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَىٰ صُورِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۶۳)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اخلاص کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ انسان کا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیے۔ یہ حدیث اصلاح و تربیت کے لحاظ سے اہم ہے۔ اسلام اپنے تمام اعمال میں اخلاص و للہیت کو خاص اہمیت دیتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی نیک کام کیا جائے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، اس میں دنیاوی غرض، نمود و نمائش، طلب شہرت یا معاوضہ نہ ہو، دکھاوے سے بچا جائے۔ تمام انسانی اعمال میں انسان کے دل اور صحیح ارادہ و نیت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ اس عمل کے سرانجام دیتے وقت دل کی کیفیت اور رجحان کیسا ہے۔ اگر اخلاص و تقویٰ والا عمل ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں منظور و مقبول ہو گا اور اس کا ثواب بھی ملے گا، اور اگر اس عمل میں دنیوی مفاد مطلوب ہو گا تو بس وہی بات ملے گی، آخرت میں اللہ کے یہاں اس عمل کے بدلہ کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

سرگرمی استاد صاحب ”اخلاص کے مطلب و اہمیت“ کی کلاس میں مزید وضاحت کریں۔

حدیث (۲۰): اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَذْنٰهَا اِمَاطَةُ الْاَذَى عَنِ الطَّرِيقِ

وَ الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۳۵)

ترجمہ: ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں، پس ان سب میں سے افضل شاخ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے اور سب سے کم تر شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا ہے، جب کہ حیاء ایمان کی شاخ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایمان کے شعبوں اور شاخوں کی تعداد، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، شرم و حیاء اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی فضیلت و اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اسلام کی بنیادی اور ضروری باتوں پر پختہ یقین رکھنے اور اس عقیدہ کو زبان سے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے، چنانچہ اس حدیث میں بتایا گیا کہ کامل ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شاخیں ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ شعبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ ہی توحید کا اقرار ہوتا ہے جس کو اصل ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کے دیگر شعبوں سے مراد عقائد، نیک اعمال اور اچھے اخلاق اور ظاہری و باطنی سب احوال ہیں، ایمان میں اخلاقی اعتبار سے آخری شعبہ یہ ہے کہ ”مومن میں دوسرے لوگوں کو تکلیف سے بچانے کی خوبی ہو“۔ اس لیے راستہ سے کوئی بھی ایسی چیز جو راگیروں کی تکلیف کا باعث ہو اس کو ہٹا دینا باعثِ اجر و ثواب ہے۔

ایمان کی شاخوں میں ”حیاء“ بھی ایک اہم شعبہ ہے جو بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور حیاء انسان کی ایسی خوبی و خصلت ہے جو انسان کو بد اخلاقی، بہت سی برائیوں اور گناہوں سے روکتی ہے۔ یہ صفت جس شخص کے اندر ہوگی وہ برائی کے پاس نہیں بھٹکے گا اور بھلائی کی طرف مائل ہو گا۔ لہذا ہمیں بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے اندر ایمان کی شاخوں کو اپنائیں بالخصوص حیاء کی خوبی و خصلت پیدا کریں تاکہ ہماری زندگی پاکیزہ اور ستھری ہو۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی بھی ایک حدیث کا ترجمہ و تشریح تحریر کریں۔

• مَنْ حَبَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَزِفْهُ وَكَمْ يَفْسُقُ رَجَعِ كَيْوَمٍ وَلَكِنَّهُ أُمَّءٌ۔

• إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى اجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُورِكُمْ وَلَكِنْ يُنظِرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ۔

۲۔ مسلمان کے مسلمان کے اوپر چھ خاص باہمی حقوق کی ادائیگی پر مختصر طور پر مضمون لکھیں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ علم کی عظمت پر نوٹ تحریر کریں۔

۲۔ اخلاص سے کیا مراد ہے؟ تحریر کریں۔

۳۔ ایمان کا اعلیٰ شعبہ اور آخری شعبہ کونسا ہے؟ تحریر کریں۔

۴۔ حیا کا کیا مطلب ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ چھینک کے وقت سننے والا کہتا ہے:

(الف) الحمد لله (ب) یرحمک الله

(ج) بارک الله (د) جزاک الله

۲۔ جب کوئی کسی سے ملے تو کہے:

(الف) الله اکبر (ب) السلام علیکم

(ج) سبحان الله (د) ماشاء الله

۳۔ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے وہ کہلاتا ہے:

(الف) اخلاص (ب) ریا

(ج) تقویٰ (د) زہد

۴۔ حدیث میں طلب علم کے لیے کس ملک جانے کے لیے ترغیب دی گئی ہے:

(الف) یمن (ب) شام

(ج) ایران (د) چین

(ب) ۵۔ منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح: حدیث ۲۱ تا ۲۵

حدیث (۲۱): مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۸۹۳)

ترجمہ: جس نے کسی شخص کی اچھائی کی طرف رہنمائی کی تو اس کو وہی اجر ملے گا جو اس بھلائی کرنے والے کو ملے گا۔

تشریح: اس حدیث میں بھلائی اور نیکی کرنے، نیکی اور بھلائی پر ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی تلقین و تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم پر ہیزگاری اور نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے تعاون کا حکم دیتا ہے جبکہ گناہ اور نافرمانی میں مدد کرنے سے روکتا ہے، (سورۃ المائدہ: ۲) چنانچہ کسی کو اچھا مشورہ، رہنمائی اور تعلیم و تربیت دینے کے ذریعہ جو کوئی بھی ثواب اس کام کرنے والے کو ملے گا، اس کے برابر اس کے معاون کو بھی ملے گا۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ بھلائی اور نیکی کی طرف خود بھی بڑھیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔

سرگرمی طلبہ سے بھلائی کے کاموں کی نکات کی صورت میں نشانہ ہی کروائیں مثلاً: کسی کو مفید مشورہ دینا۔

حدیث (۲۲): مَنْ نَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ الدُّنْيَا نَفَسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسِّرْهُ عَلَى

مُعْسِرِهِ يَسِّرْهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۶۹۹)

ترجمہ: جس نے کسی مومن سے کوئی دنیاوی تکالیف میں سے کوئی تکلیف دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے کئی تکلیفوں میں سے تکلیف کو دور فرمادیں گے۔ اور جس نے کسی تنگ دست مومن کو سہولت دی اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں محتاجوں، بیماروں، اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت اور حاجت روائی کی تاکید و تلقین اور تنگ دست قرضدار کو مہلت دینے کے اجر کو بیان کیا گیا ہے۔ حقوق العباد کی دوباتوں کو واضح کیا گیا ہے، جس کو خدمتِ خلق سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے:

۱۔ کوئی مومن کسی تکلیف، مصیبت یا پریشانی میں ہو تو ایسی صورت حال کے وقت اس کی تکلیف دور کرنا، مدد اور حاجت روائی کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ جس کے لیے حضور اکرم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”جو اپنے بھائی کے کام میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں لگ جاتے ہیں“۔ (مسلم: ۲۶۹۹)

۲۔ اگر کوئی مومن محتاج، بیمار، تنگدست، غریب و مسکین ہے تو اس کی خدمت، اعانت و مالی مدد کرنا اور اگر کسی مفروض نے کسی سے قرض لیا ہے، تو اس کے قرض میں مہلت دے کر سہولت پہنچانا بھی بڑے اجر کا کام ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہمارے معاشرے میں سے کوئی اچانک کسی آفت میں آجائے تو اس کو آفت سے نکلنے کے لیے کوشش کرنا چاہیے اور خدمت خلق میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں تاکہ ہمارے معاشرے کے افراد سکون و خوشحالی کی زندگی گزار سکیں۔ اور اسی میں فلاح دارین ہے۔

سرگرمی محتاجوں، بیماروں، اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت اور حاجت روائی کی صورتوں پر باہمی مذاکرہ کے بعد نکات تحریر کروائیں۔

حدیث (۲۳): وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارَ كَيْبَاتِهِ۔

(صحیح بخاری: ۶۰۱۶)

ترجمہ: اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں۔ پوچھا گیا: کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم؟ (آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم نے) فرمایا: وہ شخص جس کے شر/ تکلیف سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔

تشریح: اس حدیث میں پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کی تلقین و تاکید بیان کی گئی ہے اور پڑوسی کو تکلیف دینے پر وعید بیان کی گئی ہے۔ قرآن کریم ”میں پڑوسی سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تین قسموں کو پیش کیا ہے۔ (سورۃ النساء: ۳۶) ۱۔ پڑوسی جو رشتہ دار ہے، ۲۔ جو صرف پڑوسی ہے۔ ۳۔ اور جو عارضی طور پر پہلو میں کچھ وقت کے لیے ٹھہرا ہو۔ مثلاً: سفر، کلاس یا کسی ملاقات و مجلس وغیرہ کا ساتھی، چنانچہ تمام ہمسایوں سے بہتر سلوک کرنا چاہیے وہ آپ کے مذہب کا ہو یا کسی دوسرے مذہب کا، آپ کے نظریہ کا ہو یا اس کا ساتھی، چنانچہ تمام ہمسایوں سے بہتر سلوک کرنا چاہیے وہ آپ کے مذہب کا ہو یا کسی دوسرے مذہب کا، آپ کے نظریہ کا ہو یا اس کا ساتھی اور فکر الگ ہو۔ حدیث کی روشنی میں پڑوسی کے کام آنے اور تکالیف و ایذا رسانی سے محفوظ رکھنے کی تلقین ملتی ہے اور اس شخص کے لیے بڑی سخت و وعید بتائی گئی ہے، جس سے اس کے پڑوسی تکلیف محسوس کرتے ہوں۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ہماری طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں اور ان کے دلوں و دماغوں میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم ہم سے راضی ہوں۔

سرگرمی انسانی حقوق بالخصوص ہمسایہ کے حقوق طلبہ سے تحریر کروائیں۔

حدیث (۲۴): مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ رَضِيقَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصُبْثُ - (صحیح بخاری: ۶۱۳۸)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرے اور جو اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔

تشریح: اس حدیث میں تین باتوں کی ترغیب دی گئی ہے۔ ۱۔ مہمان کا اکرام کرنا، ۲۔ صلہ رحمی کرنا، ۳۔ اچھی بات کہنا یا خاموشی رہنا۔ یہ تینوں چیزیں بھی درحقیقت حقوق العباد ہی ہیں، جن کی ترغیب دی گئی ہے۔

مہمان کا اکرام: جب کوئی انسان سفر کر کے کسی بھی مقصد کے لیے کسی آدمی کے یہاں پہنچے تو وہ مہمان کہلاتا ہے، اس سے مناسب طریقہ سے آنے کا مقصد پوچھنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ اس کے رہائش، کھانے پینے اور آرام کا انتظام کرنا اور عزت و تکریم کرنا ”مہمان کا اکرام“ ہے۔

صلہ رحمی: اپنے قرابت داروں اور رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں شریک ہونا، بوقت ضرورت ان کے کام آنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ہمدردی کا رویہ اپنانے کا نام ”صلہ رحمی“ ہے۔ ایک حدیث مبارک میں ہے: جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور عمر لمبی ہو اس کو رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۲۰۶۷)۔

اچھی بات کہنا یا خاموش رہنا: قرآن کریم میں حکم ہے: **فَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا**۔ (سورۃ البقرہ: ۸۳) ترجمہ: لوگوں سے اچھی بات کرو۔ جس بات سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو وہ اچھی بات ہے۔ اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے اچھا بولے اور غیر ضروری و بیہودہ گفتگو سے اجتناب کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے، کیوں کہ اگر وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو کم از کم نقصان سے تو بچالے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں ہم مہمان کا اکرام کریں، صلہ رحمی کریں اور ضرورت کے مطابق اچھی بات کہیں یا خاموش رہیں۔

سرگرمی گفتگو کے آداب۔ باہمی مکالمہ کے بعد نکات تحریر کروائیں۔

حدیث (۲۵): أَيُّكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ - (صحیح بخاری، حدیث: ۶۰۶۶)

ترجمہ: بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بلا ضرورت خواہ مخواہ بدگمانی کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ کسی چیز کی تحقیق اور خبر گیری کے سوا کسی کے بارے میں اندازہ سے کچھ کہنا ”ظن“ یا گمان کہلاتا ہے، اگر اس میں اچھائی مقصود ہو تو یہ ”حسن ظن“ ہے، جو ایک پسندیدہ خوبی ہے، اور حدیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا عبادت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: حسن ظن اچھی عبادت ہے۔ (مسند احمد، حدیث: ۷۹۵۶)۔ اور اگر کسی کے ساتھ برا گمان کیا جائے تو اس کو ”بدگمانی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی نیت پر شک کرنا اور بے وجہ اپنے دل میں اچھا خیال نہ رکھنا بدگمانی کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس سے منع فرمایا گیا ہے: ”اے ایمان والو! بدگمانیوں سے بچو، کیوں کہ یہ گناہ کا کام ہے“ (سورۃ الحجرات: ۱۲)۔ چنانچہ کسی انسان کے بارے میں تمہارے پاس کتنی ہی بری شکایتیں پہنچتی ہوں، لیکن جب تک اس کی تحقیق نہیں ہوتی، تمہیں کسی کے بارے میں بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے آپس کا میل میلپ کم ہو جاتا ہے، آہستہ آہستہ یہ بدگمانی دلوں میں نفرت اور دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جو کہ گناہ ہے۔

سرگرمی ”بدگمانی کے نتائج / اثرات“ نکات کی صورت میں طلبہ سے تحریر کروائیں۔ مثلاً: تعلقات کا بگڑنا۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ مندرجہ ذیل احادیث میں کسی بھی ایک حدیث کا ترجمہ و تشریح تحریر کریں۔

• مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ۔

• أَيُّكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ۔

۲۔ ظن / گمان پر نوٹ لکھیں۔

۳۔ محتاجوں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت کی وضاحت کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ پڑوسی کے اقسام بیان کریں۔

۲۔ اکرام الضیف کی وضاحت کریں۔

۳۔ صلہ رحمی سے کیا مراد ہے تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ اپنے رشتہ داروں کے دکھ سکھ میں شریک ہونا کہلاتا ہے:

- (الف) اکرام الضیف
(ب) صلہ رحمی
(ج) حسن ظن
(د) حقوق العباد

۲۔ کسی چیز کی تحقیق کے سوا کچھ کہنا کہلاتا ہے:

- (الف) یقین
(ب) شک
(ج) ظن
(د) خیال

۳۔ حدیث میں صلہ رحمی کا فائدہ بتایا گیا ہے:

- (الف) صحت مند ہونا
(ب) شہرت یافتہ ہونا
(ج) رزق کشادہ ہونا
(د) معزز ہونا

۱۔ عقیدہ توحید
(صفات باری تعالیٰ کا تعارف، توحید کے تقاضے)

حاصلاتِ تعلم

- عقیدہ توحید کے معنی، مفہوم اور اہمیت سمجھ کر بیان کر سکیں۔
- صفات باری تعالیٰ کی وضاحت کر سکیں۔
- توحید کے تقاضے سمجھ کر بیان کر سکیں۔

عقیدہ توحید: عقیدہ توحید (ایمان باللہ)، اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ ہے۔ ”عقیدہ“ کا لفظ ”عقد“ سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی ہے مضبوط گرہ لگانا۔ عقیدہ سے مراد وہ خیالات و افکار ہیں جن پر انسان پختہ یقین رکھتا ہو، جو انسان کے کردار اور رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ”توحید“ کے لغوی معنی ہیں ایک جاننا اور ایک ماننا ہے۔

دین کی اصطلاح میں عقیدہ توحید کا مطلب ہے: کہ اس کائنات کا خالق و مالک و مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا اور نہ کبھی اس پر فنایت آئے گی۔ معبود حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اس نے اس کائنات کی ہر چیز کو پورے تناسب اور اس کے نظام کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ بنایا ہے۔ جس کا علم پوری کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے، جو پوری کائنات کو دیکھتا ہے اور سب کی سنتا ہے اور سب کو رزق پہنچاتا ہے اور انہیں ہدایات دیتا ہے۔ جس کی نظیر اور مثال کوئی نہیں۔ وہ ہی مخلوق کے نفع و نقصان کا مالک ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں، وہ ہی ہے موت کے بعد دوبارہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی دینے والا، وہ ذات صرف ایک ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اس عقیدہ کو دل کے پختہ یقین کے ساتھ ماننا اور بوقتِ ضرورت اس کا زبان سے اقرار کرنا اور اعمال سے اظہار عقیدہ توحید کہلاتا ہے۔

توحید کی اہمیت: قرآن مجید میں جا بجا توحید کی تعلیم دی گئی ہے خصوصاً سورۃ الاخلاص میں ”توحید مطلق“ کو نہایت ہی جامع انداز میں پر اس طرح بیان کیا گیا ہے: **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ لَمْ يُولَدْ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝** (سورۃ الاخلاص: ۱-۴)۔ ترجمہ: کہو کہ وہ معبود برحق اللہ ہے۔ (۱) وہ ایک ہے۔ (۲) اللہ بے نیاز ہے۔ (۳) وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ (۴) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ کلمہ طیبہ کا پہلا جزء: لا الہ الا اللہ ہے، جو اسی عقیدہ کی عکاسی کرتا ہے۔ توحید کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بنیاد اور اس کا پہلا رکن قرار دیا ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے فرمایا کہ قُولُوا

الا إله إلا الله تَفْلِحُوا. ترجمہ: لا الہ الا اللہ کہہ دو۔ کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ ہی تمام عبادات کا نچوڑ ہے جس کے بغیر نیکی قبول ہی نہیں کی جاتی، نیک اعمال چاہے پہاڑوں کے برابر ہوں عقیدہ توحید کے بغیر بالکل غارت ہو جائیں گے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں، سب نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور عقیدہ توحید ہی تمام نبیوں کی عملی زندگی میں بنیادی اصول، رکن اور ستون کا درجہ رکھتا ہے۔ توحید ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز تھا ہر نبی اور رسول نے ایک ہی کلمہ پڑھا لا الہ الا اللہ اور آخری نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بھی اسی وحدہ لا شریک لہ کی طرف ہی بلایا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی کامیابی کا مدار ایمان اور عمل صالح پر رکھا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔“ (سورۃ فاطر، آیت: ۷۷)۔

صفات باری تعالیٰ: اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالیہ بہت ساری صفاتِ کمالیہ اور اوصافِ حمیدہ سے موصوف ہے۔ اس کی صفات اس کی ذات کی مانند ہیں وہ اس کی ذات کی طرح ازلی و ابدی ہیں۔ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (الاعراف: ۱۸۰) ترجمہ: اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اس کو انھی ناموں سے پکارا کرو۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے: هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ ”وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔“ (سورۃ الحدید آیت: ۳)۔ اس کا مطلب ہے کہ پہلے کچھ نہیں تھا اور وہ موجود تھا اور کچھ آخر میں نہیں ہو گا مگر وہ موجود ہو گا، وہ ہمیشہ سے ہے اور تا ابد رہے گا، کسی نے اسے پیدا نہیں کیا ہے۔

۱۔ الحی (ہمیشہ زندہ غیر فانی): یہ وہ صفت ہے جس سے اس کا وجود بقاء، دوام ازلیت اور بے زوالی ظاہر ہوتی ہیں۔

۲۔ القدر والقادر (قدرت والا): یہ وہ صفت ہے جس سے اس کی قدرت کی وسعت کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۔ الخالق (پیدا کرنے والا): وہ خالق ہے یعنی اس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور عدم سے وجود میں لایا ہے۔ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ”اللہ ہر چیز کا خالق ہے“ (سورۃ الزمر آیت: ۶۲)

۴۔ العليم (سب کچھ جاننے والا): وہ علیم ہے یعنی وہ ہر بات، ہر کام اور ہر حرکت کو جانتا ہے۔ کوئی کام دن کی روشنی میں ہو یا ہویارات کے اندھیرے میں، مجمع میں ہو یا تنہائی میں، صحرا میں ہو یا سمندر کی تہ میں۔ کوئی چیز اس کے علم سے چھپی ہوئی نہیں۔ کوئی کام ماضی میں ہو یا حال میں، یا مستقبل میں ہو گا، وہ سب کچھ جانتا ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اِنَّ

اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ”بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے“ (سورۃ توبہ: ۱۱۵)

۵۔ السَّبِيْعُ (سب کچھ سننے والا): وہ سمیع ہے۔ یعنی وہ سب کو سنتا ہے، چاہے کوئی زبان سے پکارے یا دل میں، تنہائی میں پکارے یا مجمع میں، عربی زبان میں پکارے یا کسی اور زبان میں، وہ سب کی سنتا ہے اور ہر وقت سنتا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ سَبِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ ترجمہ: بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ (البقرہ: ۱۸۱)

۶۔ البصير (سب کچھ دیکھنے والا): وہ بصیر ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اور کوئی کام اس سے اوچھل نہیں چاہیے وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ، سمندر کی گہرائی میں ہو یا زمین کی تہوں میں سب کو دیکھتا ہے۔ وَهُوَ السَّبِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ ترجمہ: اور وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔“ (سورۃ شوریٰ، آیت: ۱۱)

۷۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَعَالِمٌ لِّمَا يُرِيدُ (البروج: ۱۶) ترجمہ: جو چاہتا ہے سو کر ڈالتا ہے۔ سارے کام اس کی مشیت سے ہو رہے ہیں۔

توحید کے تقاضے: توحید صرف آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضمانت نہیں بلکہ دنیا کی فلاح و سعادت کا باعث بھی ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلّم کے ارشادات بتاتے ہیں کہ عقیدہ توحید کے کچھ اہم اور بنیادی تقاضے ہیں، جن پر یقین رکھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے، ان میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے۔ کائنات کی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ جیسی نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اس جیسی کوئی چیز نہیں“ (سورۃ شوریٰ، آیت: ۱۱)۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو بے مثال ذات ماننا چاہیے۔
- صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کی رضا جوئی کی انسان کو فکر کرنی چاہیے۔
- تمام اعمال و حرکات جو عبادت کے زمرے میں آتے ہوں، ان کو اللہ ہی کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَنْ لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ۔ (الاسراء: ۲۳) ترجمہ: اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ سجدہ اسی کو کیا جائے گا، نذریں اور منتیں اسی کے لیے مانی جائیں گی، دعائیں و مناجات اسی سے کی جائیں گی، پناہ اسی سے مانگی جائے گی، غیبی امداد کے لیے صرف اسی کو پکارا جائے گا۔
- تمام جذبات و احساسات بھی اللہ ہی کے لیے مخصوص کیے جائیں جن میں عبادت کی روح پائی جاتی ہو؛ جیسے حمد و شکر، امید، توکل، خوف و تقویٰ اور حقیقی محبت و عقیدت و خشیت، خشوع و خضوع وغیرہ۔
- اس پوری کائنات کا حقیقی مقتدر اعلیٰ صرف اللہ کو ماننا چاہیے۔ حکم دینے اور منع کرنے کا حق صرف اسی کو ہے۔ حقیقی شارع اور قانون ساز بھی صرف وہی ہے۔ مخلوق کی زندگی کا قانون متعین کرنے، اسے معاف کرنے یا سزا دینے کا حق صرف اسی کو ہے۔

- اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت اور امر و نہی کے مطابق اس دنیا کی زندگی بسر کی جائے۔
- اللہ تعالیٰ پر اس کی ساری صفات کے ساتھ ایمان لانا۔
- توحید کے یہ بنیادی تقاضے اتنی اہمیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار اللہ پر ایمان رکھنے کے دعوے کو بے معنی کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری باتیں عقیدہ توحید کے اصل مفہوم میں شامل ہیں، اور کوئی شخص اس وقت تک صحیح معنوں میں مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اس عقیدہ پر پورے مفہوم کے ساتھ ایمان نہ لائے۔
- **عقیدہ توحید کے زندگی پر اثرات:** جب عقیدہ توحید دل و دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس کی شخصیت میں کچھ اثرات / ثمرات نمایاں ہوتے ہیں۔ اسلامی عقائد کا اثر انسان کی عملی زندگی پر بھی پڑتا ہے، انسانی سیرت و کردار اور اعمال و اخلاق کو سنوارتے ہیں۔ عقیدہ توحید کے نمایاں اثرات جو انسانی زندگی پر پڑتے ہیں وہ یہ ہیں:
- ذات باری تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات پر ایمان سے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت و تعظیم پیدا ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں وہ اوامر الہی پر کار بند رہتا ہے اور نواہی سے احتراز کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر کار بند رہنا اور منہیات سے اجتناب کرنا ہی فرد اور معاشرے کے لیے دنیا و آخرت میں کمال سعادت ہے۔
- انسان کو حریت و آزادی کا بلند ترین مقام عطا کرتا ہے۔
- انسان کے اندر پرہیزگاری، خودداری و عزت نفس کے اوصاف پیدا کرتا ہے۔
- انسان میں عجز و انکساری پیدا کرتا ہے۔
- وسعت نظر کی وجہ سے تمام مخلوق کو محبت اور پیار سے دیکھتا ہے اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔
- انسان میں استقامت و بہادری، قناعت، بے نیازی، عزم و حوصلہ، صبر و توکل کی طاقت عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ دنیا کی مصیبتوں کا جو ان مردی سے مقابلہ کرتا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رحمت پر پورا یقین ہونے کی وجہ سے وہ کبھی بھی مایوس اور ناامید نہیں ہوتا، بلکہ وہ نڈر ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد بالسیف کرتا ہے اور موت سے نہیں ڈرتا ہے۔
- انسان میں بنی نوع انسان کی وحدت اور مساوات کا تصور پیدا کرتا ہے۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ عقیدہ توحید کی وضاحت کریں۔
- ۲۔ توحید کے تقاضے پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ ایمان کا مفہوم کیا ہے؟
- ۲۔ عبادت کسے کہتے ہیں؟
- ۳۔ عقیدہ توحید کے اثرات پر نوٹ تحریر کریں۔
- ۴۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی وابدی ہے۔ وضاحت کریں۔
- ۵۔ توحید کا کیا مطلب ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ توحید کے لفظی معنی ہیں:

- | | | | |
|-------|-----------------|-----|-------------------|
| (الف) | ایک ماننا | (ب) | یقین کرنا |
| (ج) | نظم و ضبط رکھنا | (د) | ہدایت ورہبری کرنا |

۲۔ ایک مسلمان کو پہلے:

- | | | | |
|-------|-----------------------|-----|------------------|
| (الف) | عقیدہ درست کرنا چاہیے | (ب) | نماز پڑھنا چاہیے |
| (ج) | بااخلاق ہونا چاہیے | (د) | حج کرنا چاہیے |

۳۔ انسان کی فلاح و نجات کا مدار ہے:

- | | | | |
|-------|---------------------|-----|------------------|
| (الف) | صبر و شکر پر | (ب) | اخلاق و تقویٰ پر |
| (ج) | ایمان و عمل صالح پر | (د) | تخل و بردباری پر |

اساتذہ کو چاہیے کہ وہ شرک، شرک کی مذمت، شرک کے اقسام پر
مختصر وضاحت کریں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

۲۔ عقیدہ رسالت

حاصلاتِ قلم

- نبوت و رسالت کے معنی و مفہوم کو سمجھ سکیں۔
- ضرورتِ نبوت و رسالت واضح کر سکیں۔
- حب رسول، اطاعت و اتباع رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اہمیت جان کر بیان کر سکیں۔
- ختمِ نبوت کا مفہوم اور اس کی ضرورت سمجھ کر بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں عقیدہ رسالت کو اپنا سکیں۔

نبوت و رسالت کے لغوی و اصطلاحی معنی و مفہوم: عقیدہ رسالت اسلام کا دوسرا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ لفظ ”نبوت“ ”نبا“ سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی خبر کے ہیں۔ اور خبر دینے والے کو ”نبی“ کہا جاتا ہے، اس کی جمع انبیاء ہے۔ اور ”رسالت“ لغت میں پیغام پہنچانے کو کہتے ہیں۔ اور پیغام پہنچانے والے کو ”رسول“ کہا جاتا ہے، جس کی جمع رُسُل ہے۔ دین کی اصطلاح میں ”نبوت و رسالت“ ایک اعلیٰ روحانی منصب ہے جن پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے خاص خاص بندوں کو منتخب کر کے فائز فرمایا ہے۔ جس کے ذریعے انسان کو معرفت الہی حاصل ہوتی ہے۔ مطلب کہ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اپنے احکام و ہدایات اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے اور ان کے ذریعے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح و تربیت کرتا ہے۔ جو شخصیت اس منصب پر فائز ہوتی ہے اسے نبی یا رسول کہا جاتا ہے، رسالت ملنے سے پہلے بھی رسول کی حیثیت اپنی قوم میں اعلیٰ ہوتی ہے۔ وہ معصوم، پاکباز، نرم خو، نیک طینت، سچا اور امانتدار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے پہلے جتنے بھی انبیاء و رسل بھیجے ہیں، سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد ”رسالت“ کا درجہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: كُلُّ امْنٍ بِاللَّهِ وَ مَلٰئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ لَا نُنْفِئُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (البقرہ: ۲۸۵)۔ ترجمہ: سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔

ضرورتِ نبوت و رسالت:

۱۔ اسلام نے انسان کی پیدائش اور زندگی کا مقصد ”اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت“ انبیاء و رسل کے ذریعے بتایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کا دار و مدار ہے۔

۲۔ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ عملی زندگی کے لیے اس کے سامنے کوئی مثال یا نمونہ ہو، جسے دیکھ کر اس کے موافق زندگی گزار سکے اور پیغمبروں کی زندگی لوگوں کے لیے بہترین مثال یا نمونہ عمل ہوتی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے نبی اور رسول پر کتاب نازل فرماتا ہے۔ صاحب کتاب اس کی تعلیمات اور احکامات اور حکمتیں سکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اللہ نے مومنوں پر یقیناً احسان کیا ہے کہ ان میں ان ہی میں سے پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

۴۔ اسلامی عقیدے کے مطابق یہ دنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت محاسبہ اور پوچھ گچھ کی جگہ۔ اب اگر لوگوں کو سرے سے کوئی رہبری فراہم نہ کی جائے تو قیامت کے دن ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں تو کوئی ہدایت ہی نہیں ملی تو ہم عمل کیسے کرتے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بندوبست فرمایا ہے، اسی طرح روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے نبوت و رسالت کا اہتمام فرمایا۔ رسولوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیا میں لوگوں کو دین حق کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا کہ وہ انسانوں کو ایمان کی طرف بلائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کا حکم دیں، تاکہ لوگوں پر حجت پوری ہو جائے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ (النساء: ۱۲۵)

حُبِ رَسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ: قرآن کریم کی روشنی میں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ہمارے تعلق کی چار بنیادیں ہیں۔ ۱۔ ایمان ۲۔ اطاعت ۳۔ اتباع ۴۔ محبت۔ حُب یا محبت ایک فطری کشش اور فطری جذبہ کا نام ہے، اور اگر یہ محبت مذہب کے رشتے کی بنیاد پر ہو تو ”روحانی محبت“ یا ”ایمان کی محبت“ کہلاتی ہے۔ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ذات گرامی ہماری ہر قسم کی محبت کی حقدار ہے اور ایمان کا تقاضا ہے، کیوں کہ وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مومنوں کے محسن و مربی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ محبت کا حکم دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان یا اطاعت معتبر ہی نہیں جس کی بنیاد محبت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر نہ ہو۔

پھر اس محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبت بھی محض ظاہری اور رسمی قسم کی نہ ہو بلکہ ایسی محبت ہو جو تمام محبتوں پر غالب آجائے، جس کے مقابلہ میں عزیز سے عزیز تر رشتے اور محبوب سے محبوب تر تعلقات کی بھی قدر و قیمت نہ رہ جائے، جس کے لیے دنیا کی ہر چیز کو چھوڑا جاسکے۔ قرآن مجید میں اسی محبت کا معیار یہ بتایا گیا ہے۔ ”نبی کریم (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ) کے ساتھ محبت کا حکم دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان یا اطاعت معتبر ہی نہیں جس کی بنیاد محبت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر نہ ہو۔“

وَسَلَّمَ) مومنوں کے لیے ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں“ (الاحزاب: ۶) اور حدیث شریف میں ”حُب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ“ کو علامت ایمان قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اپنے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے“ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث: ۱۵)۔

اطاعت واتباع رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ: اطاعت کا لفظ ”طوع“ سے بنا ہے جس کے معنی دلی آمادگی، فرمانبرداری کرنا یا حکم بجا آوری ہے۔ اطاعت میں مکمل خود سپردگی درکار ہوتی ہے یہ نہیں ہوگا کہ کچھ حکم مانیں اور کچھ نہیں مانیں گویا دلی آمادگی کے ساتھ فرمان برداری اور قبول کر لینے کے رویے کا نام اطاعت ہے۔

اتباع: دل کی حقیقی محبت اور طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک گہرے قلبی لگاؤ کے ساتھ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ہر قدم اور ہر ادا کی پیروی لازمی کرنا ”اتباع“ کہلاتا ہے۔ یعنی جب اطاعت کلی اور محبت قلبی جمع ہوں گے تو اتباع کہلائے گا۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت یہ ہے کہ زندگی کے تمام معاملات میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے جو احکام بتائے ہیں یا ہدایات دی ہیں یا عمل فرمایا ہے اس کی اطاعت کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔

سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت کا حکم دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا واحد ذریعہ رسول ہی ہوتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے بندوں سے کلام نہیں کرتا بلکہ اپنے رسول کے واسطے سے ہی کلام کرتا ہے۔ رسول ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، اس لیے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اسے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت کرنی پڑے گی، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”جس نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی“ (سورۃ النساء، آیت: ۸۰)

رسالت محمدی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی خصوصیات: حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر آکر تکمیل کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے وہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی شریعت میں تمام شامل کر دیے گئے۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی

شریعت خصوصی فضیلت کی حامل ہے ان تمام رسولوں کی شریعتوں کے جملہ فضائل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئی ہے۔ جن میں سے چند خصوصیات یہ ہیں: • عمومیت و عالمگیریت • پہلی شریعتوں کا نسخ • کاملیت • حفاظت کتاب • سنت نبوی کی حفاظت • جامعیت • ختم نبوت۔

ختم نبوت: ”ختم“ کے لغوی معنی ہیں مہر لگانا کسی چیز کی انتہا اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ ختم نبوت کا مطلب ہے کہ نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور یکے بعد دیگرے کئی انبیاء کرام علیہم السلام آئے یہ سلسلہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں، اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے بعد کسی بھی طرح جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کافر ہے اور اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی آخری ابدی الہامی کتاب ہے، اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نازل نہیں ہوگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کی تشریف آوری سے ہدایت کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا، دین مکمل ہو گیا اب ختم نبوت ہو گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَبَشَّرْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا**۔ (المائدہ: ۳)۔ ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

ختم نبوت کی ضرورت: جب دین مکمل ہو اور دین اسلام پر رضائے الہی کا واضح اظہار ہو، یہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے آخری نبی اور رسول ہونے کا اعلان ہے کہ اب کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا: **مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ** ^ط (سورۃ الاحزاب: ۴۰) ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے پیغمبر اور نبیوں کی مہر یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کر دینے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم نے فرمایا ترجمہ: میری امت میں تیس (۳۰) ایسے جھوٹے ہوں گے جن میں سے ہر ایک اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا حالانکہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں“ (ابوداؤد، حدیث: ۴۲۵۲)۔ ذکر کردہ حدیث سے واضح ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ امت آخری امت ہے، اب کوئی بھی نبی نہیں آئے گا، اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہوگا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر تمام امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کی وجہ: حضرت مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ

اللہِ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کی کچھ وجوہات یہ ہیں:

• حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ پر ایک ایسی جامع اور ہمیشہ رہنے والی کتاب نازل کی گئی جس کے الفاظ اور احکام ابھی تک محفوظ ہیں اور قیامت تک محفوظ رہیں گے۔ آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو دین کامل اور مکمل شریعت دی گئی، جس میں ایسی جامع اور اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ اس کو سامنے رکھ کر قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

• حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قوموں، علاقوں اور قبیلوں کی طرف نبی ہو کر آئے۔ ان کی نبوت وقتی تھی اور اپنی قوموں کے لیے خاص تھی، جبکہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نبوت پوری انسانیت اور بین الاقوامیت کے لیے عام ہے اور قیامت تک آنے والے سب انسانوں کے لیے ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے تمام تعلیمات کی صداقت پر یقین رکھیں۔ آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اطاعت و اتباع کریں، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے بے پناہ محبت کرتے ہوئے اپنی تمام خواہشات کو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے احکام کے تابع کریں، حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا بے حد ادب و احترام کریں، آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہمیشہ تواضع و انکساری سے رہیں۔ آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے اجتناب کریں، حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی امت (تمام مسلمانوں) کے خیر و خواہ رہیں۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پیغام کو اپنے قول اور عمل سے آگے پھیلائیں۔

ختم نبوت کے بارے میں آیت اور حدیث یاد کر کے چارٹ پر لکھ کر کلاس میں آویزاں کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ رسالت اور نبوت کے لغوی اور اصطلاحی معنی و مفہوم تحریر کریں۔

۲۔ عقیدہ رسالت پر تفصیلی مضمون لکھیں۔

- ۳۔ اطاعت و اتباع رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔
 ۴۔ عقیدہ ختم نبوت کی تشریح کریں۔
 ۵۔ دین اسلام میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی محبت کی کیا اہمیت ہے؟ تحریر کریں۔
- (ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ نبی یا رسول کسے کہتے ہیں؟
 ۲۔ آخری رسالت محمدی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی خصوصیات تحریر کریں۔
 ۳۔ ختم نبوت کے متعلق قرآن مجید و حدیث ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟
 ۴۔ ایمان کامل کی پہچان کیا ہے؟ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

- ۱۔ نبوت و رسالت ایک ایسا منصب ہے جو:
- (الف) کوئی بھی انسان محنت کر کے حاصل کر سکتا ہے۔ (ب) عبادت گزار لوگوں کو ملتا ہے۔
 (ج) خدمت خلق کرنے والوں کو ملتا ہے۔ (د) اللہ تعالیٰ اپنے خاص منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے۔
- ۲۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت و رہبری کے لیے بھیجا ہے:
- (الف) کتاب (ب) نبی
 (ج) فرشتہ (د) جن
- ۳۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے پہلے نبی ہیں:
- (الف) حضرت آدم علیہ السلام (ب) حضرت موسیٰ علیہ السلام
 (ج) حضرت عیسیٰ علیہ السلام (د) حضرت ابراہیم علیہ السلام

اساتذہ عقیدہ ختم نبوت کو طلبہ کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لیے دور حاضر کے تقاضاؤں کے مطابق مزید واضح کریں

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

۱۔ عبادت کی اہمیت و افادیت

حاصلاتِ تعلم

- عبادت کا معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
- عبادت کی اہمیت و افادیت بیان کر سکیں۔
- عملی زندگی میں عبادت کے اثرات بیان کر سکیں۔

عبادت کے معنی و مفہوم: عبادت عربی زبان کا لفظ ہے جو ”عبد“ سے مشتق ہے، عبادت کے لفظی معنی بندگی، عاجزی و انکساری اور اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ”عبادت“ ہے۔ یہ عبادت ہر اس عمل کو محیط ہے جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اور جس کے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ بندہ کا کام مالک کی اطاعت کرنا ہے خاص طور پر اگر وہ مالک الحاکمین ہے تو اس کے احکام کو اپنے لیے باعث خوشی اور باعث مسرت و اطمینان سمجھنا ہی ایک بندہ کی معراج ہے۔

عبادت کی اہمیت و افادیت: اسلام میں ایمان یا عقیدہ کی درستگی کے بعد سب سے پہلے عبادت پر زور دیا گیا ہے۔ اور عبادت اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہ راست رابطہ اور تعلق، قرب الہی کی عملی صورت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔“ (الذاریات: ۵۶)۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔“ (البقرہ: ۲۱)۔ اس آیت سے عبادت کا مقصد ”تقویٰ“ ہے جو کہ دل کی پاکیزگی، روح کی صفائی اور عمل کے اخلاص کے بعد کی منزل ہے، یہ انسان کی وہ قلبی کیفیت ہے جس سے نیک اعمال کا شوق اور برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحِیَاتِیْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۃ الانعام: ۱۶۲) ترجمہ: یہ بھی کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ ہر روز ہر نماز میں مسلمان بار بار صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کے لیے دعا کرتا ہے۔ مذکورہ آیت میں صراطِ مستقیم کا مختصر جامع خاکہ پیش کر دیا گیا ہے جو کہ اسلامی زندگی کی روح ہے۔ اسلامی معاشرہ کی جان ہے۔ آیت میں بتایا گیا کہ مسلمان کا ہر سانس ہر قدم اور ہر کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے کسی غیر اللہ یا اپنی خواہش نفس کے لیے نہیں۔ اور یہی مسلمان کی زندگی کا مقصد و منشا ہے۔

عبادت کے تقاضے: ہمیں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام ماننے چاہئیں۔ ان پر عمل کرنا چاہیے، جس کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے اسے ترک کرنا چاہیے اور جن چیزوں کو فرض قرار دیا ہے ان کو ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کی جائے۔ زندگی کے ہر شعبے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے میں لانا، یعنی کلی اطاعت کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ (البقرہ: ۲۰۸)

انسان کی عملی زندگی پر عبادت کے اثرات: اسلام کا نظام عبادت انسان میں دوسرے انسانوں کے لیے محبت و ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے، اس لیے ایک مسلم دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت و الفت رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے اور انھیں دکھ سکھ میں کام آتا ہے۔ اسی طرح یہ عبادت صبر و تحمل کا سبق بھی دیتی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجتماعی مفاد کے لیے اپنے ذاتی مفاد کو قربان کرنے کا جذبہ بھی بیدار کرتی ہیں۔

- عبادت انسان کو سماج کے ساتھ مل جل کر رہنے کا سبق دیتی ہیں، اس لیے انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھ جاتا ہے اور معاشرہ پسند بن جاتا ہے۔
- عبادت کی پابندی سستی، کاہلی اور وقت کے ضائع کرنے جیسی بری خصلتوں کو ختم کر دیتی ہے۔
- نماز کی پابندی سے انسان کے اندر اوقات کی پابندی، ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی، قائد کی اطاعت اور اجتماعیت کی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ برائیوں اور بے حیائی سے رک جاتا ہے۔
- روزہ انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے یعنی خوفِ خدا آدمی کو نیکی اور برائی کی تمیز کرتا ہے۔
- زکوٰۃ کے ذریعے انسان کے اندر سے مال کی محبت کم ہوتی ہے اور وہ اپنے جیسے دیگر انسانوں کی مالی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔
- حج عالمی طور پر اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔

لوگوں کے کام آنا، صلہ رحمی کرنا اور اپنے ماتحتوں کی کفالت کرنے والے اعمال سے آپس میں میل جول اور تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ عبادت کے یہ تمام ثمرات مومن کو اس کی نیت اور اخلاص کی بنیاد پر حاصل ہوں گے۔ چنانچہ عبادت میں نیت کی درستگی اور اخلاص اس کے قبولیت کی کلید ہے پھر ہر نیکی مومن کے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اس پر قائم رہنے کے لیے بھی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ (مریم: ۶۵)

- یہی وہ عبادت ہیں جو انسان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ معاشرے میں بھلائیوں اور نیکیوں کی ترویج کا ذریعہ بنتی ہیں اور مومن کے لیے دنیوی و آخروی سعادتوں کا سبب بنتی ہیں۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ ”عبادت“ پر تفصیلی مضمون تحریر کریں۔
- ۲۔ عبادت کے عام زندگی پر اثرات تحریر کریں۔
- ۳۔ عبادت کی اہمیت و افادیت تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ عبادت کے لغوی اور شرعی معنی کیا ہیں؟
- ۲۔ عبادت کے چند تقاضے تحریر کریں۔
- ۳۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ کا ترجمہ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو پیدا کیا ہے:

- | | |
|--------------------|------------------------|
| (الف) عبادت کے لیے | (ب) زراعت کے لیے |
| (ج) تجارت کے لیے | (د) صنعت و حرفت کے لیے |
- ۲۔ حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنے کا نام ہے:

- | | |
|-------------|------------|
| (الف) معیشت | (ب) معاشرت |
| (ج) عبادت | (د) تجارت |

۳۔ انسان کو پیدا کرنے کا مقصد ہے:

- | | |
|-------------------------|-------------------------------|
| (الف) زمین کو آباد کرنا | (ب) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا |
| (ج) تجارت کرنا | (د) کھیتی باڑی کرنا |

۲۔ جہاد

تعارف، اہمیت اور اقسام

حاصلاتِ قلم

- جہاد کا تعارف بیان کر سکیں۔
- جہاد کی فضیلت و اہمیت واضح کر سکیں۔
- جہاد کے اقسام بیان کر سکیں۔

جہاد کا معنی و مفہوم: جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جو ”جہد“ سے ماخوذ ہے۔ اس کی لغوی معنی ہے: محنت و جدوجہد، انتہائی کوشش و جستجو کرنا۔

شرعی اصطلاح: اللہ عزوجل کی رضا کے خاطر ہر وہ جدوجہد و کوشش کرنا جو اللہ کے دین کی سربلندی، حفاظت، ملک و ملت کے تحفظ و دفاع کے لیے ہو۔ نیز ہر وہ کوشش و جدوجہد جو معاشرے کی اصلاح کے خاطر نیکی و بھلائی کی ترویج کے لیے ہو، اور برائیوں و خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے ہو۔

جہاد کی فضیلت و اہمیت: اسلام نے جہاد کو بہت زیادہ اہمیت و فضیلت دی ہے۔ کیوں کہ دنیا میں، بگاڑ، ظلم اور ہر قسم کی بد عملیاں، جو معاشرے کے اندر فتنہ و فساد کا سبب بنتی ہیں، ان سب کو ختم کر کے، دنیا میں امن و سلامتی کی فضا قائم کرنا اور انسانی حقوق کا تحفظ صرف اور صرف جہاد کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔** (التوبہ: ۴۱) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم علم رکھتے ہو۔

جہاد کی تاکید کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص اس حال میں قوت ہو کہ اس نے اپنی زندگی میں عملی طور پر نہ جہاد کیا اور نہ ہی جہاد کی خواہش کی تو اس نے نفاق کے ایک درجے پر وفات پائی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۱۰)۔

جہاد کی اقسام اور اس کی عملی صورتیں:

۱۔ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد: انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت سے جو اندرونی قوت روکتی ہے وہ اس کا نفس امارہ ہے جو انسان کو گناہوں، برائیوں اور نافرمانیوں کے لیے ابھارتا ہے جن میں خود پسندی، بغض، غیبت، جھوٹ اور بدکلامی اور دیگر نفسانی خواہشات کا مسلط ہونا جو انسان کے اعمال و کردار کو بگاڑ کر رکھتے ہیں۔

اس نفس امارہ پر قابو پانا جہاد کے زمرے میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کی خواہشات سے خود کو روکے رکھا تو اس کے لیے ہمیشہ رہنے والی جگہ جنت ہے۔ (سورۃ النازعات: ۴۰)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اس شخص کو جو اپنے نفس پر قابو پاتا ہے اسے مجاہد قرار دیا ہے۔ فرمایا: ”المجاهد من جاهد نفسه“۔ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ (سنن ترمذی: ۱۶۲۱) بعض روایات میں نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔

۲۔ منکرات کو ختم کرنے کے لیے جہاد: کسی بھی معاشرے میں جب انفرادی برائیاں عام ہو جاتی ہیں تو آگے بڑھ کر اجتماعی شرکی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان تمام برائیوں کو اسلام نے منکرات کا نام دیا ہے۔

چوں کہ اسلامی معاشرہ باہمی خیر و فلاح کے اصولوں پر قائم ہے۔ لہذا ہر وہ عمل جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرے اسلام نہ صرف اسے رد کرتا ہے بلکہ مومنوں کو اسے مٹانے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام نے اس امر پر بھی تاکید کی ہے کہ معاشرتی نظم ہر صورت میں پُر امن اور منظم رہے۔ جو باہمی رواداری کے رویوں کی ترویج کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اور ان اعمال کی نشاندہی بھی کی ہے جو منکرات کے ضمن میں آتے ہیں۔ ان معاشرتی منکرات میں ظلم و زیادتی، چوری، لوٹ مار، لسانی و قومی امتیازات کی بنیاد پر رویے، جھوٹی گواہی، زیادتی و رشوت ستانی، ملاوٹ و ناپ تول میں کھوٹ، فاسد رسومات، حقدار کی حق تلفی و دیگر منکرات وغیرہ شامل ہیں۔

اسلام میں معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ منکرات سے خود بھی بچے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرے۔ یہ کوشش انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی ہے۔

منکرات کو ختم کرنے اور اصلاح معاشرہ کے لیے قرآن مجید نے مختلف اسالیب ذکر کئے ہیں۔ کہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر، کہیں دعوت و ابلاغ اور کہیں تو اوصی بالحق والصبر کا نام دیا گیا ہے۔ امت کے ہر فرد کو اپنی بساط کے مطابق یہ فریضہ انجام دینا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ”مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيَعْلَمْهُ بِيَدِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ“ (صحیح مسلم: ۴۹) تم میں سے کوئی شخص منکر کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے دور کرے اگر ہاتھ سے دور نہیں کر سکتا ہے تو زبان سے اگر زبان سے نہیں کر سکتا ہے تو اپنے دل ہی میں اس کو برا سمجھے۔

علماء نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ منکرات کو قوت و طاقت سے مٹانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ زبان و قلم سے علماء و اہل قلم کی ذمہ داری ہے اور امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ برائی کو برا سمجھے اور اس سے اجتناب کرے۔

اسی طرح اسلام نے اس بات کی بھی تاکید کی ہے کہ مومن خود بھی حق پر قائم رہے، حق بات کہے اور دوسروں کو بھی حق پر قائم رہنے پر آمادہ کرے۔ اور حق کی سر بلندی کے لیے کوشاں رہے۔ اسی عمل کو افضل الجہاد کہا گیا ہے۔
رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے: افضل الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائز۔
(سنن ابی داؤد: ۴۳۴۴) ظالم حکمران کے سامنے حق کہنا افضل جہاد ہے۔

جہاد بالسیف / مسلح جہاد (قتال):

جہاد بالسیف یعنی تلوار سے جہاد: اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی دشمن کسی اسلامی ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک پر اپنی سرحدوں اور شہریوں کے دین، ایمان، جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے قتال فرض ہو جاتا ہے۔

مسلح جہاد کی فرضیت: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے جب ریاست مدینہ کی بنیاد ڈالی تو کفار مکہ و دیگر دشمنان اسلام کا غیض و غضب بہت زیادہ بڑھ گیا اور اس نئی ریاست کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے مزید سرگرم ہو گئے اور طرح طرح کے منصوبے بنانے لگے جن کے نتیجے میں اسلامی ریاست کے وجود، اور مسلمانوں کے جان، مال و عزت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے دفاع کے لیے مسلمانوں کو ان کفار سے جہاد مسلح کرنے کی اجازت دی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: جن مسلمانوں سے خواہ مخواہ لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیوں کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ (الحج: ۳۹)۔ سورۃ الحج کی یہ آیت قتال کی فرضیت کے حوالے سے پہلی اور ابتدائی آیت ہے۔ اس وقت چوں کہ اسلامی ریاست کا فوجی نظام نہیں تھا اس لیے تمام عاقل و بالغ مرد مومنوں پر قتال یعنی جہاد فرض ”عین“ تھا۔

جہاد بالسیف کی فرضیت کے اسباب:

الف: کفار کی دشمنی اور ان کے پُر خطر عزائم: مکہ مکرمہ میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا تھا تو دشمنان اسلام کی طرف سے ان پر ظلم و ستم کیا جاتا اور اذیتیں دی جاتی تھیں، جن کا بنیادی سبب ”کلمۃ الحق“ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تھا۔ اس کلمۃ الحق کو کفار اپنے عقیدہ کے برخلاف سمجھتے تھے، کسی بھی صورت میں اس کلمۃ الحق کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ مسلمانوں کے لیے مکہ کی زمین تنگ کر دی اور مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دے گئے ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار

اللہ ہے۔ (الحج: ۴۰)

کفار مکہ کی مسلمانوں سے شدت کی مخالفت و دشمنی کا اندازہ اس آیت سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ترجمہ: اور یہ لوگ (کفار) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ (البقرہ: ۲۱۷)

ب: اسلامی ریاست کے وجود کو خطرہ: کفار جس کلمۃ الحق کو مکہ میں برداشت نہیں کر پارہے تھے، اسی کلمۃ الحق پر مدینہ میں ایک ریاست کی بنیاد ڈالی گئی تو کفار کا یہ اندیشہ بڑھ گیا کہ اسلام کی طاقت ان کے لیے ایک مستقل خطرہ بن جائے گی۔ تو ان کی نیندیں اڑ گئیں۔ اور مخالفانہ کوششیں تیز سے تیز کر دیں، اور اس اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لیے جنگ کے منصوبے بنانے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دفاع کے لیے یہ احکام جاری فرمائے۔ ترجمہ: اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرہ: ۱۹۰)

زیادتی نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ قوت کا استعمال وہاں کرو جہاں ناگزیر ہو اور اس حد تک کرو جتنی اس کی ضرورت ہو۔

مقاصد مسلح جہاد: قرآن کریم نے اسلامی سلطنت کے دفاع و تحفظ کے علاوہ اسلحہ کے ساتھ جہاد کرنے کے کچھ اور مقاصد بھی بتائے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

الف: عہد شکنی کی سزا: اسلام نے معاہدوں کی پابندی کے لیے بہت زیادہ تاکید کی ہے۔ ارشاد الہی ہے: ”اور جب اللہ سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ (النحل: ۹۱)۔

اسلام نے اس قوم کے ساتھ لڑائی کرنے کا حکم دیا ہے جو اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرے پھر اس معاہدے کو پس پشت رکھتے ہوئے جنگی عزائم رکھے۔ قرآن کریم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: ”جن لوگوں نے تم سے (صلح) کا عہد کیا ہے پھر وہ بار بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انھیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں ان کو (اس سے) عبرت ہو۔ اور اگر تم کو کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) ان ہی کی طرف پھینک دو (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔ (الانفال: ۳۶-۳۸)۔

اگرچہ ان آیات کا شان نزول خاص موقع کے لیے ہے مگر اس کا حکم عام ہے۔ یعنی اسلام میں بد عہد قوم کے ساتھ کسی قسم کی بھی رعایت نہیں ہے اور جو قوم معاہدہ کرنے کے بعد اس کو توڑ کر لڑائی کے لیے کوشاں رہتی ہے تو اسلام نے اسلامی حکومت کو اس سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ب: احترام انسانیت اور مظلوموں کی دستگیری: اسلام حرمت انسانی کا عظیم ترین پیغام رکھتا ہے۔ اس پیغام میں انسانیت کے لیے جو اصول رکھے ہیں ان میں مظلوموں کی حمایت اور مدد کرنا، ان کو ظالم کے ظلم سے چھٹکارہ دلانا، اسلامی حکومت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ترجمہ: اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے ان کو ہمارا مددگار مقرر فرما (النساء: ۷۵)۔

اگرچہ اس آیت کا اشارہ ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف ہے جو مکہ میں رہ گئے تھے۔ اور ہجرت نہ کر سکے تھے ان کو کفار کی طرف سے تکلیفیں اور اذیتیں دی جا رہی تھیں۔ حتیٰ کہ ان کا جینا حرام کر دیا تھا۔ مگر اس آیت میں اسلامی جنگ کا بلند مقصد بیان کیا گیا ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں انسانوں کے حقوق پامال کئے جا رہے ہوں اور ان کے لیے وہاں کی زمین تنگ کر دی جائے۔ خواہ ان کا کسی بھی مذہب یا قوم سے تعلق ہو تو اسلامی حکومت کا فرض بنتا ہے کہ حسب موقعہ و امکان ان مظلوموں کی مدد کر کے ان کو ظلم سے نجات دلائے۔

ج: فتنہ و فساد کا خاتمہ: اسلامی تعلیمات کے بنیادی مقاصد میں، قیام امن، محبت و رواداری کا فروغ، ظلم اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں بھی ملک گیری، یا کسی بھی گروہ کا اپنے مذموم مقاصد کے لیے کمزوروں پر چڑھائی کر کے ظلم و زیادتی، فتنہ و فساد برپا کر کے خلق خدا کے امن و سکون کو خطرے میں ڈالے، تو اس قسم کی فتنہ سازی اور ظلم و جبر سے باز رکھنے کے لیے قرآن مجید نے اسلامی ریاست کو جنگ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)۔

اس آیت میں اسلامی جنگوں کا مقصد، زمین پر فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنا ہے اور دنیا میں امن و آشتی کی فضا قائم کرنا ہے۔

مسلم جہاد کے شرائط: اسلام نے مسلح جہاد کے لیے کچھ شرائط رکھی ہیں ان شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جہاد کرنا چاہیے۔

الف: اعلیٰ کلمۃ اللہ۔ (اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے): مسلح جہاد کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے ہو۔

ب: اسلامی ریاست کی طرف سے اعلان: مسلح جہاد کی دوسری شرط یہ ہے کہ قتال کا اعلان ریاست کی طرف سے ہو۔ اسلام میں قتال کے اعلان کی مجاز صرف اور صرف ریاست ہے کسی فرد یا جماعت کے اعلان یا فتویٰ (جنگ کے لیے) کی شرعی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے فتوے یا اعلان فساد فی الارض کے زمرے میں آتے ہیں۔

ج: مناسب حد تک فوجی طاقت میسر ہو: مخالف قوت سے لڑنے کے لیے حکومت کے پاس موافق طاقت و قوت میسر ہو۔ قرآن مجید نے اسلامی ریاست کو مضبوط رکھنے کے لیے تاکید کی ہے۔ فرمایا: ترجمہ: اور جہاں تک ہو سکے (قوت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے۔ ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمہارا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانو! تمہارے پاس سامان جنگ اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رہنی چاہے تاکہ بوقت ضرورت فوراً کاروائی کر سکو اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کر سکو۔

د: لڑائی میں جاہلیت والے طریقے استعمال نہ کئے جائیں: لڑائی کے وقت صرف ان سے لڑا جائے جو مقابلے میں ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں اور جنگ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں اور عام شہریوں پر دست درازی نہ کی جائے، دشمنوں کے مقتولوں کا مثلہ نہ کیا جائے، کھیتوں، مکانوں اور موبیشیوں کو خواہ مخواہ برباد نہ کیا جائے۔

جہاد اور قتال میں فرق: جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے حصول کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کرنا، جہاد محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے قتال کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اس میں ہر قسم کی جدوجہد شامل ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اس غرض سے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر

قائم ہو۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ جہاد کی فضیلت و اہمیت بیان کریں۔

۲۔ جہاد کی قسمیں بیان کریں۔

۳۔ جہاد کی شرائط تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ جہاد کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

۲۔ جہاد کے مقاصد بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ جہاد کی اقسام ہیں:

(الف) ۳ (ب) ۴

(ج) ۵ (د) ۶

۲۔ جہاد بالسیف کا مطلب ہے جہاد کرنا:

(الف) دل سے (ب) زبان سے

(ج) اسلحہ سے (د) قلم سے

۳۔ بعض روایات میں نفس کے ساتھ جہاد کرنے کو کہا گیا ہے:

(الف) جہاد اصغر (ب) جہاد اکبر

(ج) جہاد اوسط (د) جہاد اعظم

۱۔ بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

حاصلاتِ تعلیم

- بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے قبل حالاتِ عرب بیان کر سکیں۔
- بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا مفہوم بیان کر سکیں۔
- بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے آثار اور مقاصد بیان کر سکیں۔

بعثتِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے قبل حالاتِ عرب:

مکہ مکرمہ: مکہ مکرمہ عربستان کا بڑا شہر اور قریش کا روحانی و سماجی مرکز بن چکا تھا، تجارتی سرگرمیوں، تمدن، معیشت اور ترقی کے باعث یمن کے مشہور شہر صنعاء کے ہم پلہ ہو چکا تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے سال میں دو مرتبہ شام اور یمن کا سفر کرتے تھے، جس کی بدولت اہل مکہ زندگی کی ہر سہولت سے مالا مال تھے۔ پانچویں صدی عیسوی کے دوران مکہ کے سردار قُصَيِّ بْنِ كِلَاب (جو حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی پانچویں پشت میں دادا ہیں) نے مکہ کا جو انتظامی ڈھانچہ بنایا تھا وہ اس وقت تک برقرار تھا، جس کی بنیاد اتحاد، تعاون اجتماعی، عمومی مفاہمت اور انتظامی امور کی باہمی تقسیم پر تھی، چنانچہ جنگی معاملات، تجارت اور دیگر سماجی معاملات کے حل کے لیے ”دار الندوہ“ نامی مجلس مشاورت قائم تھی۔

مکہ شہر کے بہتر انتظام، معاشی اور تجارتی سرگرمیوں اور متمدن سماجی نظام کے باعث اس کے بہت سے خاندان بڑے مالدار اور سرمایہ دار ہو چکے تھے، ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی تھے جو صدقہ خیرات کرتے، محتاجوں اور مساکین کی امداد کرتے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کا سودی اور ناجائز ذرائع کا کاروبار تھا، وہ عیاش، ضدی اور کمزور طبقہ کے لیے سخت گیر تھے، انھیں مال و اولاد پر غرور تھا، وہ دوسروں کو حقیر سمجھتے تھے، سماجی برائیوں مثلاً: شراب نوشی، ظلم، بدکاری، فحاشی، ناجائز ذریعہ آمدن (ڈاکہ، چوری، جوا) کو برانہ سمجھتے تھے۔ پڑوسیوں کو تکلیف دینا، صلہ رحمی کا پاس نہ رکھنا، ناحق خون بہانا ان کا مشغلہ تھا، چنانچہ ان غیر انسانی رویوں کی وجہ سے وہ سخت دل، خشک مزاج اور بے رحم طبع ہو چکے تھے۔ حجاز کے باقی حصوں میں بھی بد انتظامی اور آوارگی کی وجہ سے لوگ سرکش ہو چکے تھے اپنے ہی لوگوں سے لڑنا جھگڑنا اور مارنا ان کے یہاں جرأت اور فخر سمجھا جاتا تھا۔ اپنی ہی بچیوں کو زندہ درگور کرنے پر فخر کرتے تھے۔

جہالت عام ہونے کی وجہ سے بت پرستی ان کا مذہبی شعار بن چکی تھی۔ صرف خانہ کعبہ کے اندر ہی تین سوساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ بعثت کے وقت جب حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ تشریف لائے تو دنیا کا حال یہ تھا

کہ ظہر الفساد فی البر والبعث (الروم: ۴۱) خشکی اور تری میں فساد برپا تھا (دنیا کے مذاہب اور عالم تہذیب و تمدن میں عقائد و اعمال میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں)۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کا مفہوم: حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچ گئی تھی اور آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم رمضان کے مہینے میں حسب معمول غار حرا کی تنہائیوں میں مشغول عبادت تھے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے پاس آیا اور نور نبوت کی جو شمع آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے سینے مبارک میں مخفی تھی اسے وحی الہی کے ان الفاظ کے ساتھ روشن کر کے آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا۔ اور قرآن مجید کی یہ آیات پڑھیں: **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝** (العلق: ۱-۵)۔ ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ (۱) جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ (۲) پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ (۳) جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ (۴) اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔ (۵) یہ آیات قرآنی پہلی وحی کی حیثیت سے محمد بن عبد اللہ کو محمد رسول اللہ بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کو نبوت کے شرف سے مشرف کر گئی۔ جن کی نبوت آخری نبوت اور جن کی شریعت آخری شریعت ہے۔ یہاں سے نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول شروع ہوا۔

بعثت نبوی کے آثار: اعلان نبوت کے بعد اگر کوئی خارق عادت واقعہ کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو ”معجزہ“ کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا غیر معمولی واقعہ جو عمومی طریقے اور طرز سے نمودار نہ ہو اور کسی نبی کی بعثت کی طرف اشارہ کرتا ہو وہ ”نبوت کے آثار“ میں شمار ہوتا ہے۔

بعثت سے چھ برس قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کو ایک روشنی اور چمک نظر آنے لگی تھی، جس کو دیکھ کر آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم بے حد مسرور ہوتے تھے، اس چمک اور روشنی میں کسی قسم کی آواز نہیں ہوا کرتی تھی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب کبھی کسی پیغمبر پر وحی کی شروعات ہوتی ہے تو سب سے پہلے انہیں سچے خواب دکھائے جاتے ہیں۔ بخاری شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی، چنانچہ آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم رات کو جو بھی خواب دیکھتے وہ صبح کو روشنی کی طرح واضح اور سچا ہوتا تھا۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ جب مکہ مکرمہ کے راستوں سے گذرتے تو پتھروں اور درختوں سے آواز آتی ”اَسْلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ“ (اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو) جب آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اپنے دائیں بائیں مڑ کر دیکھتے تو وہاں پر پتھروں اور درختوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں کہ ”میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔“ (صحیح مسلم: ۲۲۷۷)

بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے مقاصد: تعلیم و تدریس: قرآن کریم کی پہلی وحی کے اندر ”پڑھنے“ اور ”قلم“ کا ذکر موجود ہے، پھر حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی بعثت کے وقت اللہ تعالیٰ نے ان چار نکات کو محور و مرکز قرار دیا۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی آیات ان کو پڑھ کر سنانا۔ ۲۔ انھیں پاک کرنا۔ ۳۔ انھیں کتاب کی تعلیم دینا۔ ۴۔ حکمت کی باتیں سکھانا۔ (الجمعة: ۲)۔ یعنی آیات خداوندی پڑھ کر سنانے والے مبلغ، آیات کی تعلیم دینے والے معلم، آیات کی تفہیم کرنے والے ہادی اور آیات کی تعمیل کرانے والے مصلح تھے۔

طلبہ و طالبات کو سبق کا پس منظر ذہن نشین کرنے کے لیے حجاز مقدس کے قدیم نقشے لائے جائیں، ان میں بعثت نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے متعلقہ جگہوں کی نشاندہی کریں۔ اس کے لیے انٹرنیٹ سے مدد لی جائے۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ بعثت نبوی پر مضمون تحریر کریں۔
- ۲۔ بعثت نبوی سے قبل حالات عرب بیان کریں۔
- ۳۔ بعثت نبوی کے آثار بیان کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ پہلی وحی کی آیات کا ترجمہ لکھیں۔
- ۲۔ بعثت نبوی کا مفہوم بیان کریں۔
- ۳۔ بعثت نبوی کے چند مقاصد بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ قریش مکہ سال میں دو مرتبہ جن ملکوں کی طرف سفر کرتے تھے وہ تھے۔

- (الف) ایران۔ چین
(ب) عراق۔ مصر
(ج) شام۔ یمن
(د) حبش۔ یمن

۲۔ اہل مکہ کی مجلس مشاورت کا نام تھا:

- (الف) دارالندوہ
(ب) دارالہجرۃ
(ج) خانہ کعبہ
(د) صفہ

۳۔ سب سے پہلے جو سورۃ نازل ہوئی وہ تھی:

- (الف) القلم
(ب) المدثر
(ج) المزمل
(د) العلق

۴۔ پہلی وحی جس اسلامی مہینے میں نازل ہوئی وہ تھا:

- (الف) محرم الحرام
(ب) رمضان المبارک
(ج) ربیع الاول
(د) شعبان المعظم

۲۔ دعوت و تبلیغ

حاصلاتِ تعلم

- دعوت و تبلیغ کے معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
- دعوت و تبلیغ کے مقاصد و اثرات بیان کر سکیں۔
- دعوت و تبلیغ کے مراحل بیان کر سکیں۔

دعوت و تبلیغ کا مفہوم: عربی زبان میں ”دعوت“ کے لغوی معنی: پکارنے اور بلانے کے ہیں۔ جبکہ ”تبلیغ“ کے معنی ”پہنچانے“ کے ہیں، دینی اصطلاح میں لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا۔ اچھی باتوں اور دینی تعلیم کی طرف بلانے کو ”دعوت دین“ اور ان باتوں کو خیر خواہی کے جذبہ سے دیگر لوگوں، اقوام اور ملکوں تک پوری طرح پہنچانے کا نام ”تبلیغ“ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا**۔ (فصلت: ۳۳) ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے۔

دعوت و تبلیغ کے مقاصد: دعوت و تبلیغ کے بنیادی مقاصد میں سے چند یہ ہیں کہ: لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جائے: اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک الہ اور رب مانا جائے، اللہ کی ذات، صفات اور اختیارات و حقوق میں کسی کو شریک نہ کیا جائے، اسلام کو دین حق سمجھ کر اللہ کے سامنے اپنے آپ کو اس کے ہاں جوابدہ سمجھا جائے، اللہ کے پیغمبروں پر پورا ایمان لا کر ان کی پیروی و اتباع کی جائے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کو آخری نبی جان کر ان کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے نیکی کو فروغ دینے پر آمادہ کیا جائے اور برائیوں کو ختم کرنے کی ترغیب دی جائے۔

دعوت و تبلیغ کے مراحل: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کی مکی زندگی میں دعوت و تبلیغ کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ خفیہ تبلیغ: بعثت کے بعد سے تین برس تک کا عرصہ ہے جو حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم نے بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ توحید کی تبلیغ میں گزار دیا۔ اس خاموش اور حکیمانہ طرز دعوت و تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ

وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے دعوت و تبلیغ کے کام کو مخفی رکھا، یہی وقت اور حالات کا تقاضا بھی تھا، چنانچہ ابتدا میں اہل خانہ اور قابل بھروسہ دوستوں پر محنت کی گئی، آہستہ آہستہ لوگ اسلام میں داخل ہوتے گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت بن گئی، دارالرقم حضرت ارقم کا گھر جو صفا پہاڑی پر واقع تھا ان کے اجتماعات کا مرکز بنا، جہاں پر وہ قرآن کریم کی تعلیم سیکھتے اور نمازیں ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو دوسری وحی کے وقت ارشاد فرمایا: ترجمہ: اے چادر میں لپٹنے والے۔ (۱) اٹھیں اب خبردار کیجیے۔ (۲) اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔ (۳) (سورۃ المدثر: ۱-۳)

دوسرا مرحلہ اعلانیہ تبلیغ: تین برس تک حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ مخفی طور پر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تبلیغی مساعی کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوا۔ جب آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو یہ حکم دیا گیا: وَ أَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۱۳﴾ (سورۃ الشعراء: ۲۱۴) ترجمہ: اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجئے۔ اس حکم ملنے کے چند روز بعد سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے خاندان عبدالمطلب کو دعوت پر مدعو کیا جس میں ان کے چیدہ چیدہ اور برگزیدہ ارکان بھی شامل تھے اور آپ کے چچا عبد العزیٰ ابو لہب اور دیگر چالیس کے قریب لوگ شامل تھے، کھانا کھانے کے بعد آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے محفل کو مخاطب کر کے فرمایا: میں تمہارے پاس وہ پیغام لایا ہوں، جو عرب کے کسی شخص نے پیش نہیں کیا، یہ دنیا و آخرت دونوں کی فلاح کا پیغام ہے۔ وہ چیز لایا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کی سعادت کا سبب ہے۔ تم میں کون ہے جو اس الہی مہم میں میرا ساتھ دے؟

حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے بیان کے بعد پوری محفل میں سناتا چھا گیا اور خاندان کے تمام افراد میں سے صرف نو عمر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کی میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ساتھ دوں گا۔ اگرچہ میں سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں لیکن اس کے باوجود آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ساتھ دوں گا۔ شرکاء محفل نے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی دعوت کی طرف توجہ نہ دی اور اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

کوہ صفا: کوہ صفا پر عزیز و اقارب اور اہل مکہ تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے بعد اللہ ذوالجلال نے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو قدرے وسیع پیمانے پر اس پیغام کو پھیلانے کا حکم فرمایا کہ قوم کو دعوت دیں قرآن کریم میں ہے: ترجمہ: ہم نے آپ کی طرف قرآن عربی وحی کے ذریعے بھیجا ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو خبردار

کریں۔ (سورۃ الشوریٰ: ۷) چنانچہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر اہل قریش کو قبیلوں کے نام لے کر پکارا، قریش جمع ہو گئے، بعض نے اپنے نمائندے بھیجے اس کے بعد آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اعلان فرمایا: ”یاد رکھو! میں تمہیں اس سے بڑھ کر حق بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَقْلُحُوا ترجمہ: کہو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر سب سے پہلے آپ کے چچا ابو لہب کہنے لگا: تم ہلاک ہو جاؤ! (نعوذ باللہ) کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا ہے؟ اس طرح یہ مجمع منتشر ہو گیا۔

اگلے مرحلے میں اللہ تعالیٰ نے اس پیغام کو پوری نوع انسانی یعنی بین الاقوامی درجہ دیتے ہوئے فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سورۃ السبا: ۲۸) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اپنی دعوتی مہم کو آگے بڑھاتے ہوئے عرب کے موسمی بازاروں عکاظ، مجنہ اور ذوالحجاز (جہاں لوگ کثرت سے جمع ہوتے تھے) میں بھی جا کر آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ انھیں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف بھی گئے اور وہاں تقریباً دس دنوں تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے میں مصروف رہے۔

دعوت و تبلیغ کے اصول: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس طرح اسلام کی دعوت و تبلیغ کا حکم فرمایا ہے اسی طرح اس کے اصول و ضوابط بھی بتائے ہیں فرمان الہی ہے: اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالنُّعْظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۗ (سورۃ النحل: ۱۲۵) ترجمہ: اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ذریعہ لوگوں کو بلائیے اور ان سے بہتر طریقہ سے مکالمہ کریں۔

اس آیت میں دعوت و تبلیغ کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں اور کسی بھی بات کو موثر انداز میں بیان کرنے کے لیے یہی اصول اپنائے جاتے ہیں: ۱۔ حکمت۔ ۲۔ موعظ حسنہ۔ ۳۔ عمدہ طریقہ پر بحث و مباحثہ۔

حکمت سے تبلیغ: مخاطب کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے اور اس کے اندر بات سننے کی آمادگی پیدا کی جائے۔ دانائی سے مخاطبین کی ذہنی صلاحیت کو سمجھ کر حالات اور موقع و محل کے مطابق علمی و عقلی استدلال کے ساتھ دعوت و تبلیغ کی جائے۔

موعظ حسنہ: بات کو اچھے انداز میں بیان کرنے کا اثر ضرور ہوتا ہے، چنانچہ پُر اثر گفتگو سے مخاطب کے سامنے اچھائی اور برائی کو ظاہر کر کے نصیحت والے انداز میں بات کرنا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو اور عمدہ طریقہ سے گفتگو کر کے اس کو حق کے لیے قائل کرنا ”موعظ حسنہ“ ہے۔

بحث و مباحثہ: اپنی بات کہنے کے لیے اگر مباحثہ یا مکالمہ کی صورت حال پیش آئے تو پُر دلائل گفتگو کرنا اور مخالف کے موقف کو غلط ثابت کرنے کے لیے بہتر اور اچھی اور شائستہ زبان میں گفتگو اختیار کرنا جس میں افہام و تفہیم ہو، غصہ، جوش اور چیخ چیخ کر بات کرنے سے گریز کرنا۔ (وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ)

دعوت و تبلیغ کرنے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جس بات کی وہ دوسروں کو تبلیغ کرتا ہے اس پر وہ خود بھی عامل ہو، قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے۔ (فصلت: ۳۳)

دعوت و تبلیغ کے اثرات و ثمرات: ابتداء میں انصار مدینہ میں سے ایک شخص سوید بن صامت جو شجاعت و شاعری میں نامور تھاج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا اور حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی زبان مبارک سے قرآن شریف کی چند آیات سن کر اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا، پھر اس کے میلان اسلام کا اثر دیگر اہل بیثرب پر پڑا جس کے نتیجے میں دو تین برسوں کے اندر مدینہ منورہ کے لوگوں کی کچھ تعداد اسلام کی حلقہ بگوش ہو گئی۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور مسلمان مدینہ منورہ جا کر طاقتور ہونا شروع ہو گئے۔ اور حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہاں آتے ہی ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اور آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے قبائل کے ساتھ معاہدات کیے۔

غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق اور صلح حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ خیبر کی فتح ہوئی۔ حق کی فتح اور باطل کی شکست ہوئی یعنی مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کے لیے تیار ہوئے۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے فریضہ کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن کوشش کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے دین کا بول بالا رہے اور ہم فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

اپنے موجودہ ماحول میں دعوت و تبلیغ کے لیے اہم امور / نکات آیت ”ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنۃ“ کی روشنی میں باہمی بحث و مباحثہ / مکالمہ کرنے کے بعد مرتب کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ دعوت و تبلیغ کے مراحل کیا ہیں؟ نوٹ تحریر کریں۔

۲۔ دعوت و تبلیغ کے کیا اصول ہیں؟ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ دعوت و تبلیغ کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

۲۔ دعوت و تبلیغ کے مقاصد کیا ہیں؟ تحریر کریں۔

۳۔ دعوت و تبلیغ کے اثرات کو مختصر لکھیں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ دعوت کی لغوی معنی ہے:

(الف) بتانا (ب) پڑھانا

(ج) پکارنا (د) بلانا

۲۔ نیک اور اچھی بات دوسروں تک پہنچانے کو کہا جاتا ہے:

(الف) تقریر (ب) تدریس

(ج) تبلیغ (د) تجویز

۳۔ مکہ مکرمہ میں دعوت و تبلیغ کا ابتدائی مرکز تھا:

(الف) دار ارقم (ب) شعب ابی طالب

(ج) کوہ صفا (د) مسجد الحرام

۴۔ داعی کا کام ہے کہ مخاطب کی تنقید سن کر اس سے:

(الف) بدلہ لے (ب) درگزر کرے

(ج) جھگڑا کرے (د) غصہ کرے

موجودہ دور میں جدید ٹیکنالوجی کے ذرائع (کمپیوٹر، موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ) کا دعوت و تبلیغ میں کردار پر مضمون تحریر کروائیں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

۳۔ ہجرت مدینہ اور غزوات

حاصلاتِ قلم

- ہجرت مدینہ کے اسباب، حالات اور واقعات بیان کر سکیں۔
- غزوات کی معنی، مفہوم اجمالی تعارف بیان کر سکیں۔
- ہجرت مدینہ کے نتائج و اثرات بیان کر سکیں۔

ہجرت کے معنی و مفہوم: عربی زبان میں ”ہجرت“ کے معنی جدائی، علیحدگی اور ایک جگہ قطعاً چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا ہیں۔ اسلام میں ”ہجرت“ کا مفہوم ہے: رضائے الہی کے حصول کے لیے اصل وطن اور گھر بار کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں سکونت اختیار کرنا، خاص طور پر جہاں وہ محکوم اور مظلوم ہوں، ان کو اسلام پر عمل کرنے میں زندگی گزارنا مشکل ہو تو ایسے حالات میں نقل مکانی کر کے ایسی جگہ چلے جائیں، جہاں دین کے تقاضے پورے کیے جاسکیں اور اس پر عمل کرنا آسان ہو۔

اسلام کی پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی اور دوسری ہجرت ”یثرب“ مدینہ منورہ کی طرف حکم الہی کے مطابق ہوئی، مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کو وطن بنانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ”مہاجر“ اور ان کی مدد کرنے والے اہل مدینہ ”انصار“ کہلاتے ہیں۔

ہجرت مدینہ کے اسباب: مدینہ منورہ عرب کا ایک قدیم شہر ہے، جس کا اصلی نام ”یثرب“ تھا جو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی ہجرت کے بعد ”مَدِیْنَةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ“ (نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا شہر) اور پھر مدینہ منورہ مشہور ہوا۔ مدینہ کی طرف ہجرت کے درج ذیل اسباب ہیں:

ایک طرف مکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکین مکہ کی زیادتیاں عروج پر تھیں، تو دوسری طرف یثرب میں اسلام کی عام مقبولیت کے پیش نظر مسلمانوں کے لیے ماحول سازگار تھا، چنانچہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عنایت فرمادی۔ تمام مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے صرف چند باقی رہ گئے جن کو مشرکین نے قید کر رکھا تھا یا وہ غربت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جاسکتے تھے، ان کے علاوہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی کچھ خاص مصلحتوں کی وجہ سے پیچھے رہنے والوں میں شامل تھے۔

مکہ مکرمہ میں دعوت اسلام پر پابندی: بعثت نبوی سے پہلے قریش حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو صادق و امین کے القاب سے پکارتے تھے تاہم آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اعلان نبوت کے بعد قریش مکہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے جانی دشمن بن گئے، چنانچہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے لیے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا بے حد مشکل ہو گیا، اس کے باوجود آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ابتداء میں خفیہ طریقے سے لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے رہے اور تربیت کرتے رہے۔

مسلمانوں پر مظالم: مکہ مکرمہ میں دشمنوں نے اسلام قبول کرنے والے ہر شخص پر مظالم ڈھائے، ان کو جسمانی، ذہنی اذیتیں پہنچانے کا کوئی موقع نہ چھوڑتے، یہاں تک کہ انھوں نے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اور دیگر مسلمانوں کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور ان سے مقاطعہ کر لیا۔ علاوہ ازیں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیتیں دے کر شہید کر دیا۔

ہجرت حبشہ کا حوصلہ افزا تجربہ: قریش مکہ کی سخت روی سے تنگ آکر دو مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے جہاں ان کو اطمینان و آرام میسر ہوا تاہم مخالفوں کی سازشوں کی وجہ سے وہ دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور کفار مکہ تکلیفیں اور اذیتیں سہتے رہے۔

اہل مدینہ کا اشتیاق: یثرب کے کچھ نیک حضرات حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے عقبہ کے مقام پر دو مرتبہ بیعت کر چکے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ یثرب آکر ہمیں دین کی باتیں سکھائیں لیکن آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کے حکم و اذن کے منتظر تھے۔

اذن الہی: ان تمام مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کے اصرار پر حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے مسلمانوں کو بعثت کے چودھویں برس ۲۷ صفر کو یثرب کی طرف ہجرت کی اجازت فرمائی اور لوگ چھپتے چھپاتے، یثرب کے لیے روانہ ہوتے رہے۔ یہ ہجرت تمام مسلمانوں پر فرض تھی۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ہجرت اور واقعات: حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اور آپ کے دو پیارے ساتھی حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما، اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے، چنانچہ جب نبوت کا تیر ہوا سال شروع ہوا، اور اس وقت تک اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ روانہ ہو چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بھی ہجرت کی تیاری شروع فرمائی۔

دارالندوہ میں کفار کا مشورہ: مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ مسلمان ہجرت کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکون و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اوس و خزرج جیسے طاقتور قبائل ان کے حمایتی و مددگار بن چکے ہیں، تو ان کو مسلمانوں اور خاص طور پر حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے حسد کی وجہ سے پریشانی ہوئی، چنانچہ تمام زعماء قریش دارالندوہ میں جمع ہو کر حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خلاف تدبیریں کرنے لگے۔

غارِ ثور میں قیام: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی کفار کے اس مکر سے باخبر فرمادیا تھا اور کفار کی اتنی شدید دشمنی کے باوجود حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس رکھی ہوئی کفار کی امانتیں صحیح سلامت ان کے مالکان تک پہنچانے کی غرض سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا ”ہمیں ہجرت کا حکم مل چکا ہے، اس لیے ہم آج ہی مدینہ روانہ ہو جائیں گے، آپ میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جائیں، صبح کو یہ امانتیں مالکان کے سپرد کر کے آپ بھی مدینہ پہنچ جائیں۔“

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ رات کی تاریکی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ مکرمہ سے نکل کر ثور پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے شہر مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”تو بڑا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے بڑا محبوب ہے۔ میری قوم اگر مجھے یہاں سے نکلنے میں مجبور نہ کرتی تو میں تمہارے سوا کسی اور جگہ نہ جاتا۔“ پھر آپ دونوں نے غارِ ثور کے اندر تین دن تک قیام فرمایا۔

ادھر صبح کے وقت جب کفار نے حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے گھر میں جا کر دیکھا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے متعلق دریافت کرتے رہے اور پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تلاش میں نکل پڑے۔ یہاں تک کہ غارِ ثور تک آ پہنچے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نوجوان بیٹا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دن کے حالات معلوم کر کے رات کے وقت آپ کو باخبر کرتا، شام کے وقت روزانہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کو دودھ دے جاتا، اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کھانا تیار کر کے دینے آتی تھی۔

غارِ ثور سے مدینہ منورہ روانگی: چوتھے دن حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ غار سے باہر نکلے، عبداللہ بن اریقظ نامی شخص کو اجرت پر بطور راستہ دکھانے والا لیا۔ اسی طرح یہ چھوٹا قافلہ ایک دن اور رات مسلسل چلتا رہا، دوسرے

دن دوپہر کے وقت گرمی اور دھوپ کی تپش کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کچھ وقت آرام فرمائیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو انھیں ایک بڑے ٹیلے کے قریب کچھ سایہ نظر آیا، چنانچہ وہیں پر پڑاؤ کے لیے رک گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قریب ایک بکریاں چرانے والے چرواہے سے کچھ دودھ لے کر آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کو پیش کیا، جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے آگے کوچ کیا۔

قبائیں تشریف آوری: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم سن ۱۴ نبوت برطابق سنہ ایک ہجری کو بحفاظت قبائستی میں پہنچ گئے، جہاں آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے چند دن قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی اور اس میں نماز پڑھی جس کو ”مسجد قبا“ کہا جاتا ہے۔ جس کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: البتہ جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر اول روز سے پڑی ہے۔

مدینہ منورہ میں پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے آمد کی خبر پہنچ چکی تھی اس لیے تمام شہر والے آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی آمد کے بڑی شدت سے انتظار کر رہے تھے، وہ روزانہ صبح کو مقام حرہ تک آکر آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کا انتظار کرتے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ ایک دن تمام لوگوں کے واپس ہو جانے کے بعد ایک یہودی نے (جو اپنے قلعہ پر تھا) آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کو دیکھا اور چلا کر مسلمانوں کو بتانے لگا: اے اہل عرب! تمہارا مہمان آپہنچا۔

مدینہ منورہ میں داخلہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے، بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچ کر بطن وادی میں جمعہ کی نماز پڑھائی، اسی طرح آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم مدینہ منورہ آ پہنچے، اہل مدینہ نے آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کا پرجوش استقبال کیا اور آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیا اور دل کھول کر آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کا ہر طرح کا تعاون کیا۔

ہجرت کی فضیلت: ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے بھی حق دار ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے مغفرت، جنت اور بہترین اجر کا انعام رکھا ہے۔ اور انھیں یقین دلایا گیا ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ہو ضائع نہیں کرتا۔ تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ تو جو لوگ میرے لیے وطن

چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور (اللہ کی راہ میں) لڑے اور قتل کیے گئے، میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ یہ اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔ (آل عمران: ۱۹۵) بجا طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جب تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا، اس وقت سب سے بڑا عمل ”ہجرت“ تھا۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہجرت اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہنے اور اس کی دعوت و اشاعت کے لیے ہو۔

ہجرت کے ثمرات:

- ہجرت کی برکت سے ایک اسلامی سلطنت وجود میں آگئی۔
- ضعیف الایمان مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔
- ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم ہونے کی وجہ سے دین اسلام کی تبلیغ میں آسانی و قوت حاصل ہوگئی۔
- ہجرت سے پہلے مسلمانان مکہ اقلیت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کافروں کے ظلم کے شکار رہے۔ کوئی دینی کام آزادی سے سرانجام نہیں دے سکتے تھے، پھر جان کا خطرہ الگ تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد وہی مظلوم مسلمان ایک خطہ زمین کے مالک ہو گئے اور ان کو تبلیغ اسلام کے بہترین مواقع حاصل ہو گئے۔

غزوات

”غزوہ“ کے معنی کسی سے لڑنے کے لیے نکلنے، حملہ کرنے اور جنگ کرنے کے ہیں۔ محدثین اور سیرت نگاروں کے نزدیک ”غزوہ“ ایسی جنگی مہم کو کہا جاتا ہے جس میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بذات خود شرکت فرمائی ہو، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ لشکر کے امیر کی حیثیت میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں رہے۔

ہجرت کے بعد تمام عرب قبائل مدینہ پر حملے کے لیے کمر بستہ ہو گئے، قریش نے عبد اللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے آدمی (حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ) کو پناہ دے کر ٹھہرایا ہے، اس سے لڑائی کرو، یا اسے اپنے شہر سے نکال دو ورنہ ہم سب تمہارے اوپر حملہ کر دیں گے اور جو انوں کو قتل کیا جائے گا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا دیا جائے گا۔

دوسری طرف مشرکین مکہ نے مدینہ کے یہود سے ساز باز کرنا بھی شروع کر دی، ان کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر اکسانے کے بعد مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ مکہ سے نکل کر تم اپنے آپ کو یثرب میں محفوظ نہ سمجھو، ہم یثرب میں آکر تمہیں ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ایسی صورت حال کے پیش نظر اور مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنے اور ریاست کو بچانے کے لیے انہیں جہاد کرنے کی اجازت دی ارشاد پاک ہے: ترجمہ: جن سے لڑائی کی جا رہی ہے ان کو اب لڑنے کی اجازت ہے کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ (الحج: ۳۹) چنانچہ ریاست مدینہ کے دفاع کے لیے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے مخالفین اسلام سے اسلحہ کے ساتھ جہاد کیا۔ ان میں چند اہم یہ ہیں:

غزوہ بدر: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ ایک سال پورا کیا تھا کہ ماہ رمضان سن ۲ھ میں مشرکین مکہ نے ابو جہل کی قیادت میں مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا، آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو اطلاع مل گئی تو، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے آگے بڑھ کر ”بدر“ کے مقام پر مشرکین کا مقابلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

غزوہ احد: غزوہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کی قیادت میں ماہ شوال سن ۳ھ میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے، مسلمانوں نے ”احد“ کے مقام پر ان کا مقابلہ کیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا بھاری نقصان ہوا مگر دشمن بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہوا۔

غزوہ خندق: تیسری مرتبہ ماہ ذوالقعد سن ۵ھ میں پورے عرب کے مشرکین و کفار اکٹھے ہو کر بڑی طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس جنگ کا دوسرا نام غزوہ احزاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان اور آندھی بھیج کر کفار کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

غزوہ خیبر: سن ۷ھ میں خیبر کے یہودیوں نے سخت بغاوت شروع کر دی۔ یہودیوں نے کئی قلعے بنائے تھے۔ سارے قلعے فتح کیے گئے آخری قلعہ قموص تھا، جس کو شیر خدا حیدر کرار حضرت علی کریم اللہ وجہہ کی کمان میں فتح کیا گیا۔

فتح مکہ: مسلمانوں نے رمضان المبارک سن ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح کیا۔

غزوہ حنین: سن ۸ھ میں ”غزوہ حنین“ ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

غزوہ تبوک: سن ۹ھ میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو اطلاع ملی کہ رومی اور اس کے اتحادی مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنے کے ارادے سے نکل چکے ہیں، تو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اپنے

مجاہد ساتھیوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر جب رومیوں نے مسلمانوں کا عزم دیکھا تو وہ واپس چلے گئے۔ اور اسلامی لشکر بغیر لڑائی کے واپس آ گیا۔

ہمیں بھی چاہیے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اسوہ حسنہ کا اتباع کرتے ہوئے بوقت ضرورت ہجرت اور اعلاء کلمتہ اللہ کے لیے کوشاں رہنا چاہیے، اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے جن غزوات میں شرکت فرمائی، ان کا چارٹ بنا کر اس میں سال، مسلمان اور کفار کی تعداد، کامیابی / شکست کو ظاہر کریں مثلاً: جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی۔ مسلمان ۳۱۳ اور کفار ۱۰۰۰ تھے مسلمانوں کو فتح ہوئی، ۷۰ کفار قتل ہوئے ۷۰ قیدی ہوئے۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ ہجرت کے واقعہ سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟ وضاحت کریں۔
- ۲۔ ہجرت مدینہ کے اسباب بیان کریں۔
- ۳۔ مختلف غزوات کا اجمالی تعارف لکھیں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ ہجرت کا معنی اور مفہوم بیان کریں۔
- ۲۔ غزوہ بدر کب اور کیوں ہوا؟
- ۳۔ ہجرت کی فضیلت کیا ہے؟ نوٹ تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ ہجرت لفظ کے معنی ہیں:

- | | | | |
|-------|----------------------------|-----|--------------------------|
| (الف) | مسلمان ہونا | (ب) | حصول علم کے لیے سفر کرنا |
| (ج) | دین کی خاطر نقل مکانی کرنا | (د) | قیام کرنا |

۲۔ سفر ہجرت کے دوران حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ٹھہرے:

- (الف) غار حرا میں
(ب) غار ثور میں
(ج) کہف میں
(د) طائف میں

۳۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بذاتِ خود جس جنگی مہم میں شامل ہوں وہ کہلاتا ہے:

- (الف) غنیمت
(ب) جزیہ
(ج) غزوہ
(د) سریہ

۴۔ دوسرا غزوہ ہے:

- (الف) تبوک
(ب) خیبر
(ج) احد
(د) بدر

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ غزوات پر تفصیلاً روشنی ڈالیں تاکہ طلبہ و طالبات اس کے ہر پہلو سے آگاہ ہو سکیں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

۴۔ خصال و شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

حاصلاتِ قلم

- خصال و شمائل کے معنی اور مفہوم بیان کر سکیں۔
- رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی عادات و اطوار بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی عملی زندگی میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں۔

خصائل و شمائل کے معنی اور مفہوم: ”خصائل“ عربی کے لفظ ”خصلة“ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی عادات ہے (اچھی یا بری)۔ جبکہ شمائل ”شَيْئَةٌ“ کی جمع ہے، جس کے معنی اچھی طبیعت، عمدہ عادت اور نیک صفت و خصلت کے ہیں۔ خصال اور شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے مراد رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ظاہری خوبیاں و باطنی خصال اور عمدہ عادات ہیں، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی شب و روز کی زندگی جیسے اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، مزاج، معاشرت اور لباس، اخلاق، پاکیزہ خصوصیات اور خوبیاں و اوصاف، بالخصوص آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا اہل خانہ سے برتاؤ، لوگوں سے میل جول، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ساتھیوں سے رویہ، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ظاہری صورت اور سیرت، حلیہ مبارک اور جسمانی بناوٹ مراد ہیں۔

خصائل و شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اہمیت و فضیلت: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی پاکیزہ زندگی ہی اسلام کی صحیح اور کامل تصویر ہے۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اقوال و افعال اور حیات مبارکہ کا اتباع ہی مؤمن کے لیے نجات دہندہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**۔ (الاحزاب: ۲۱)۔ ترجمہ: (مسلمانو!) درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی عمدہ عادات اور بے مثال سیرت کو اس امت کے لیے ایک بہترین ”اسوۂ حسنہ“ قرار فرما کر اس کے مطابق زندگی گزارنے کی ترغیب دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو عمدہ صورت کی طرح اعلیٰ سیرت، بلند اخلاق اور عمدہ صفات کا مجموعہ بنایا تھا، جس کی گواہی خود قرآن کریم نے بھی دی ہے: **وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ**۔ (سورۃ القلم: ۴) ترجمہ: یقیناً آپ کے اخلاق بڑے اعلیٰ ہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ذات اقدس سیرت اور صورت دونوں

اعتبار سے کامل اور اکمل تھیں، اپنی قوم میں اچھے کردار، فاضلانہ اخلاق اور کریمانہ عادات کے لحاظ سے ممتاز تھے اور حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی شخصیت نہایت بارعب اور پُر وقار تھی۔ سب سے زیادہ بامروت، سب سے زیادہ خوش اخلاق، سب سے زیادہ راست گو، سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ نیک عمل، سب سے بڑھ کر پابند عہد، سب سے زیادہ امانت دار تھے۔ پس جو اشخاص اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگانی خوبصورت اور کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو انھیں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کی طبیعت کی پوری آمادگی اور ایک قلبی لگاؤ کے ساتھ پیروی کرنی چاہیے۔ اس کو معلوم ہو کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ جو کوئی حکم اپنی زبان مبارک سے واضح الفاظ میں دے رہے ہیں۔ یا یہ کہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی نشست و برخاست کا طریقہ کیا ہے۔ گفتگو کا انداز کیا ہے۔ چلتے کس طرح تھے، لباس کون سا پہنتے تھے، کھانے میں کیا چیز مرغوب تھی۔ یہ سب جان کر مومن ان کی اتباع کر سکے اور نجات دارین حاصل کر سکے۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا اپنے اہل خانہ سے برتاؤ: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی گھریلو زندگی نہایت شائستگی اور خوشگوار نوعیت کی تھی، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے، اپنے کام خود سرانجام دیتے اور اہل خانہ سے کبھی بھی سختی سے پیش نہیں آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بہتر ہے، اور میں اپنے اہل خانہ کے معاملہ میں تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۸۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال کے لیے شفیق اور مہربان ہو۔ (اخلاق النبی صہ لابی الشیخ الاصبہانی، ج 1، ص ۳۸۰)

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ گھر میں عام لوگوں کی طرح زندگی گزارتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ اپنے کپڑے خود صاف فرماتے، بکری کا دودھ نکالتے، اپنے کام خود کر لیتے تھے، کپڑوں اور جوتوں کو پوند لگانا اور اپنے کپڑے کو سینا یہ تمام اعمال خود سرانجام دیتے تھے۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۵۳۲۱)

اسی طرح گھر والوں کے ساتھ خوش طبعی سے پیش آنا، اپنے اہل خانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنا اور گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا بھی رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے ثابت ہے۔ یہ تمام باتیں ایک بہتر گھرانہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا محلے اور معاشرے کے لوگوں سے برتاؤ: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی نہ صرف انفرادی حسن اخلاق اور پاکیزہ کردار اپنانے میں رہنمائی کرتی ہے، بلکہ معاشرے کی بہتر سے بہتر طور پر تشکیل اور باہمی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے خاندان، محلہ اور پڑوس کے ساتھ حسن سلوک پر بھی زور دیتی ہے۔ چنانچہ معاشرتی معاملات میں رشتہ داروں، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنا ان کی ضروریات کا خیال رکھنا، ان کو تحفہ تحائف بھیجنا، طبع پرسی کرنا، تعزیت کرنا، ایک دوسرے کو دعوت دینا، معاشرے کے نادار لوگوں کے کام آنا، دشمنوں سے بھی نیکی کرنا وغیرہ خصائل مبارک میں سے تھے اور سیدنا رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنی تعلیمات میں ان چیزوں کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں کہ: آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، خالی ہاتھ والوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔

(صحیح بخاری: کتاب بدء الوحی: ۳)

یہ تمام خوبیاں پیارے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ہمدردی اور خیر خواہانہ رویہ کی عکاسی کرتے ہیں، جس میں معاشرہ میں کمزور سمجھے جانے والے نادار طبقہ سے بھی ایسا ہی سلوک روا رکھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے جو کسی شاہانہ طرز رکھنے والے سے رکھا جائے۔

اسی طرح مظلوموں اور بے کسوں کی فریاد سننا اور ان کے کام آنا حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ چنانچہ ایک اجنبی حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آکر التجا کرنے لگا کہ ابو جہل کے ذمہ میرا قرض ہے وہ ادا نہیں کر رہا ہے اس وقت آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ حرم مکہ میں عبادت کر رہے تھے، لیکن عبادت کو مؤخر کیا اور اپنے ذاتی دشمن ابو جہل کے پاس ایک اجنبی کی مدد کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، اور اس سے حق وصول کروادیا۔ (تہذیب سیرۃ ابن ہشام، ص: ۷۴)

۸ ہجری میں جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمایا اور شہر مکہ فتح ہوا، تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے بیس برس کے ان تمام مظالم اور زیادتیوں کا بدلہ لینے کی بجائے اپنی قوم کے لوگوں کو معاف کرتے ہوئے اعلان فرمایا: ترجمہ: آج تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (رحمۃ للعالمین ج: ۱، ص: ۱۱۳) لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ سیدنا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کو اپنا کر سعادت دارین حاصل کریں۔ بالخصوص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

آلہ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے لیے بیان کردہ عمدہ خصوصیات ہمارے لیے قابل اتباع ہیں۔ حصول محبت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا دوسرا ذریعہ درود و سلام کی کثرت میں ہے جو کہ شفاعت محمدی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے حصول کا بھی ذریعہ ہے۔

سرگرمی برائے طلبہ و طالبات
نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل کی روشنی میں موجودہ ماحول (کلاس روم) اسکول۔ گھر۔ محلہ۔ کھیل کے میدان اور شہر) میں نکات مرتب کریں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ خصائل و شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اہمیت و فضیلت پر نوٹ لکھیں۔
- ۲۔ دوسروں کے کام آنے میں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا کیا طریقہ تھا؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ خصائل اور شمائل نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے کیا مراد ہے؟
- ۲۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی گھریلو مصروفیات کیا تھیں؟
- ۳۔ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی مبارک زندگی اہل محلہ سے کیسا رویہ رکھنے کا درس دیتی ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

- ۱۔ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے خصائل و شمائل سے مراد ہے:

(الف) سیرت نبوی	(ب) اسوہ حسنہ
(ج) سنت	(د) عمدہ عادات و خصوصیات
- ۳۔ فتح مکہ کے وقت اپنی قوم کے تمام لوگوں کو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے:

(الف) قید کر دیا	(ب) شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا
(ج) معاف کر دیا	(د) امیر بنا دیا

طلبہ و طالبات کو سبق میں دی ہوئی حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی عادات مبارکہ خاص طور پر ”اپنا کام خود کرنا“ کی اہمیت بتائیں۔ اساتذہ کرام طلبہ و طالبات کو ”شمائل نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ“ پر مختصر آگاہ کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۵۔ مناقب اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم

حاصلاتِ قلم

- اہل بیت اطہار کا تعارف اور مناقب بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں اہل بیت اطہار سے محبت کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں۔

مناقب کا معنی اور مفہوم: مناقب عربی زبان کا لفظ ہے اس کا واحد ”مَنْقَبَةٌ“ ہے، جس کے معنی تعریف، اچھے کام، خوبیاں اور فضائل کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں کسی مشہور شخصیت کے کارناموں اور فضائل کو ”منقبة“ کہا جاتا ہے، چاہے وہ نثر میں ہو یا نظم میں، اہل بیت، بزرگان دین اور اصحاب کرام کی ثنا، اوصاف اور تعریفیں۔

اہل بیت: ”اہل“ عربی زبان میں ”والے یا والا“ کو کہتے ہیں اور ”بیت“ ”گھر“ کو کہتے ہیں چنانچہ اہل بیت کے معنی ہوئے ”گھر والے“۔

مناقب اہل بیت: قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق ”اہل بیت“ سے مراد حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا گھرانہ ہے جس میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی آل پاک، ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں۔ قرآن کریم نے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو امہات المؤمنین (تمام مومنین کی مائیں) قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَازْوَاجَهُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ** (سورۃ الاحزاب: ۶) ترجمہ: اور حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔ ازواج مطہرات کی تعداد گیارہ ہے، جن میں سے دو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی زندگی ہی میں وفات پاگئی تھیں اور نو ازواج مطہرات زندگی کے آخری ایام تک آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ موجود تھیں۔ مندرجہ ذیل ان سب کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے:

ازواج مطہرات:

۱۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ ان کی حیات مبارکہ میں آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ

وَسَلَّمَ نے دوسری شادی نہیں کی، اور آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی تمام اولاد انہی کی بطن سے تھی، سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ چار عورتوں کو دنیا کی تمام عورتوں پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے: حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون)، حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ بنت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ساری دولت اسلام اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے لیے وقف کر دی۔ ۶۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰ نبوت میں ان کی وفات ہوئی، ان کی دین اسلام کے لیے بے مثال خدمات ہیں۔

۲۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہا: نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ان سے شوال سنہ ۱۱ نبوت میں نکاح کیا۔ ہجرت کے سات مہینے بعد شوال ۱ ہجری میں آپ کی رخصتی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی سب سے زیادہ فقیہ عورتوں میں شامل ہیں۔ نہایت بہادر اور دلیر تھیں۔ غزوہ احد میں رسول اللہ کے زخم صاف کیے۔ زخمی غازیوں کو پانی پلاتی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا ۷۱ رمضان ۵۷ ہجری کو انتقال ہو گیا، اور آپ رضی اللہ عنہا جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۳۔ ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ان سے رمضان ۴ ہجری میں نکاح فرمایا۔ انھیں ”ام المساکین“ کہا جاتا تھا۔ کیوں کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔

۴۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی پھوپھی بھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی تھیں۔ ذوالقعدہ ۵ ہجری میں سرکار دو عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ان سے شادی کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور خوب صدقہ کرنے والی عورت تھیں۔ ۵۳ سال کی عمر میں سنہ ۲۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

ان کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات ۱۔ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، ۲۔ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا، ۳۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ بنت ابوامیہ رضی اللہ عنہا، ۴۔ ام المومنین حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا، ۵۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا، ۶۔ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حبیبی بن آخطب رضی اللہ عنہا، ۷۔ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں جنہیں شاہ مصر مقوقس نے تحفہ میں بھیجا تھا۔ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ

عنہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ سب ازواجِ مطہرات آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے اہل اور امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے ہدایت و رہنمائی کے روشن مینار ہیں۔

اہل بیت (اولاد): حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد مبارک جو سب حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے بطن سے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ: رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے، انھی کی نسبت سے حضور کی کنیت ابو القاسم ہے۔ تقریباً دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں جو اعلانِ نبوت سے دس سال قبل پیدا ہوئیں۔ ۸ھ میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی اور جنت البقیع، مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا: حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی اولاد میں دوسری صاحبزادی تھیں۔ ۲ ہجری میں غزوہ بدر کے موقع پر آپ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور اسی سال سنہ ۲ ہجری کو رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ نبوت سے کچھ عرصہ قبل پیدا ہوئیں۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے شعبان ۹ھ میں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ، جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا: آپ رضی اللہ عنہا کا نام فاطمہ اور لقب الزہراء ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا تمام مسلمانوں کے نزدیک ایک برگزیدہ ہستی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت ۲۰ جمادی الثانی بروز جمعہ مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مشہور القاب میں ”زہراء“ اور ”سیدۃ النساء العالمین“ (تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار) اور ”بتول“ ہیں۔ مشہور کنیت ام اللائمہ اور ام الحسین ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا مشہور ترین لقب سیدۃ النساء العالمین ایک مشہور حدیث کی وجہ سے پڑا جس میں حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کو فرمایا کہ ”وہ دنیا اور آخرت میں عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں۔“ (صحیح البخاری: ۴۱۰۸)۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المؤمنین شیر خدا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی جن سے تین صاحبزادے، حضرت سیدنا حسن اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور سیدنا محسن رضی اللہ عنہ

عنہم اور دو صاحبزادیاں حضرت سیدہ زینب اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رحلت اپنے والد حضور کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی رحلت کے کچھ ماہ بعد ہوئی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے دوسرے صاحبزادے تھے جو بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے صاحبزادے تھے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ جو بچپن میں ہی وفات پا گئے اور بقیع میں مدفون ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے خطاب فرمایا: **يُنْسَاءَ النَّبِيِّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ** (سورۃ الاحزاب: ۳۲) ترجمہ: اے نبی کی بیویو! تم دنیا کی عورتوں کی طرح نہیں ہو (بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم سے تعلق کی بناء پر تمہاری شان اور مقام بہت بلند ہے۔) چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، آپ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی اولاد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خاندان جو سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ہیں ”اہل بیت“ کا شرف رکھتے ہیں۔

اہل بیت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **اِنَّهَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا** (سورۃ الاحزاب: ۳۳) ترجمہ: اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے۔

حدیث النساء: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے حضرت فاطمہ الزہراء، حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلایا اور انہیں ایک چادر لے کر ان کے اندر داخل فرمایا اور دعا مانگی: **اَللّٰهُمَّ هُوَ اَهْلُ بَيْتِيْ فَادْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ وَ طَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا**۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۸۷۱) ترجمہ: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ ان سے نجاست دور فرما اور انہیں پاک کر دے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مکان کے قریب گزرتے تو نماز کے لیے بلا تے: **الصَّلَاةُ اَهْلَ الْبَيْتِ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ**۔ نماز اے اہل بیت اللہ تم سے نجاست دور فرمائے۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۳۲۰۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہر گز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ اور میری اہل بیت ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۷۸۶)۔

ایک طویل حدیث میں ارشاد ہے کہ زید نے کہا جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ایک دن خطبہ سنانے کو کھڑے ہوئے ہم لوگوں میں ایک پانی پر جس کو خم کہتے تھے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ واقع ہے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور وعظ نصیحت کی۔ پھر فرمایا: ”بعد اس کے کہ اے لوگو! میں آدمی ہوں قریب ہے کہ میرے پروردگار کا بھیجا ہوا موت کا فرشتا آئے اور میں قبول کروں۔ میں تمہارے درمیان دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تھامے رہو اور اس کو مضبوط پکڑے رہو۔“ غرض آپ نے رغبت دلائی اللہ کی کتاب کی طرف۔ پھر فرمایا: ”دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں تم کو اہل بیت کے باب میں خدا یاد دلاتا ہوں۔“ حصین نے کہا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اہل بیت کون ہیں اے زید! کیا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی کی بیبیاں اہل بیت نہیں ہیں؟ زید نے کہا بیبیاں بھی اہل بیت میں داخل ہیں لیکن اہل بیت وہ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے۔ (صحیح مسلم: ۶۲۲۵)

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہیں اور ”ابو تراب“ کی کنیت سے مشہور ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جس طرح کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ ہجرت کی رات آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ان کو اپنا نائب مقرر کیا اور ۳۵ ہجری میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا جہاں ۲۱ رمضان ۴۱ ہجری میں آپ رضی اللہ عنہ عبد الرحمن ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عراق کے شہر نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا: سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور انور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِثِّي فَمَنْ أَعْضَبَهَا أَعْضَبَنِي۔ (صحیح البخاری: ۳۰۹۳)۔ ترجمہ: فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کی ۱۵ رمضان المبارک ۳ ہجری میں ولادت ہوئی۔ آپ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے نواسے، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدۃ النساء سیدۃ

کائنات فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شان، فضیلت اور منقبت میں بے شمار احادیث بیان ہوئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد سخی تھے۔ آپ نے تین بار اپنا آدھا آدھا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات فرمادیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یوم وفات و شہادت ۵ ربیع الاول ۴۹ ہجری ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ: نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم، جگر گوشہ نبوت رضی اللہ عنہا، نوجوانان جنت کے سردار، کربلا کے قافلہ کے سالار، حق و صداقت کے علم بردار، سبط رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے چہیتے نواسے، شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء اہل الجنة حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے عظیم فرزند اور دوسرے صاحبزادے ہیں۔ ابو عبد اللہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت، سید، طیب، مبارک، سبط النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم، ربیعانہ النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے القابات ہیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے تقریباً سات سال تک سرور کونین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم حضرات حسین رضی اللہ عنہما سے غیر معمولی محبت و شفقت فرماتے تھے۔ امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بے حد فیاض، نہایت متقی، عبادت گزار اور کثرت کے ساتھ نیک عمل کرنے والے تھے۔ سخاوت، مہمان نوازی، غرباء پروری، اخلاق و مروت، حلم و تواضع اور صبر و تقویٰ آپ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات حسنہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو نماز سے بے حد شغف تھا۔ اکثر روزے سے رہتے۔ حج و عمرہ کی ادائیگی کا ذوق اتنا کہ متعدد حج پاپیادہ ادا فرمائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری میں کربلا میں ہوئی، آپ رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک عراق کے شہر ”کربلا“ میں واقع ہے۔

حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور اس سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۳۷۷۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے اہل بیت اطہار تمام مسلمانوں کے لیے قابل تعظیم و توقیر ہیں۔ علماء کرام نے اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت، عزت و توقیر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی محبت و توقیر کے مترادف قرار دیا ہے۔ ان کی زندگی اور تعلیمات کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل و عیال کے ساتھ خیر کا معاملہ کرے۔ (کنز العمال: ۱۸ و ۱۳)

اہل بیت کے حقوق: جس طرح ہمارے ماں باپ، رشتہ دار اہل قربت ہیں اسی طرح رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اہل بیت کے حقوق ہیں ان میں سے کچھ حقوق درج ذیل ہیں: ۱۔ ان حضرات سے محبت رکھی جائے۔ ۲۔ ان حضرات کی اطاعت کی جائے۔ ۳۔ ان کے عادل ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔ ۴۔ ان کے محبین سے محبت اور مبغضین سے بغض رکھا جائے۔

ہمیں چاہیے کہ اہل بیت سے محبت کریں ان کی سیرت کو اپنا مشعل راہ بنائیں اور ان کے نقش قدم پر چلیں تاکہ قیامت کے دن رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا قرب اور شفاعت نصیب ہو اور دینی و دنیوی زندگی کو کامیاب کر سکیں۔

مناقب اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر تقریری نشست کا اہتمام کروائیں۔ باہمی مذاکرہ کے ذریعے مناقب اہل بیت کے نکات مرتب کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ حدیث کی روشنی میں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی اہل بیت اطہار سے محبت و عقیدت پر روشنی ڈالیں۔

۲۔ امہات المؤمنین کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ مناقب کے معنی و مفہوم تحریر کریں۔

۲۔ اہل بیت سے مراد کون ہیں۔

۳۔ اہل بیت کے حقوق تحریر کریں۔

۴۔ حدیث الکساء کی روشنی میں اہل بیت اطہار کے اسماء گرامی تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی ازواج مطہرات کو قرآن کریم میں کہا گیا ہے:

(الف) امہات المؤمنین (ب) امہات المسلمین

(ج) اخوات المؤمنین (د) سیدات المسلمین

۲۔ اہل بیت کے لغوی معنی ہیں:

(الف) بیت لکھنے والے (ب) شاعری کرنے والے

(ج) گھر والے (د) ایمان والے

طلبہ و طالبات کو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے اہل بیت اور قرابت داروں کی شان میں آیت مباہلہ (سورۃ آل عمران: ۶۱) اور آیت مودۃ فی القرابی (سورۃ شوری: ۲۳) تفصیل سے بیان کریں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

۶۔ مناقب صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

حاصلاتِ تعلم

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعارف اور مناقب بیان کر سکیں۔
- عشرہ مبشرہ کا مفہوم اور مناقب بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی زندگی میں صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ سے محبت اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں۔

صحابی عربی زبان کے لفظ ”صحاب“ سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی رفاقت کے ہیں، اصطلاح میں صحابی اس شخصیت کو کہا جاتا ہے، جس نے ایمان کی حالت میں حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سے ملاقات کی ہو اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس کی وفات ہوئی ہو۔

ایسی بابرکت ہستیاں جن کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو اور وہ روئے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے باقی تمام لوگوں میں اعلیٰ شان اور بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔

فضائل صحابہ: حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: طُوبٰی لِمَنْ رَآیْنِیْ وَ لِمَنْ رَآیْنِیْ رَآیْنِیْ۔ (میزان الاعتدال للذہبی، ج ۱، ص ۴۲۲) ترجمہ: اس شخص کے لیے بڑی خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا، اور اس کے لیے بھی جس نے ایسے آدمی کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا ہو۔ اس حدیث میں صحابی اور تابعی کو آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے خوشخبری سنائی ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ترجمہ: تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۶۶۹۵)

حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں جن کے ذریعے ہم تک قرآن و سنت اور پورا دین پہنچا ہے۔ ان کی قربانیوں کے ذریعے دین اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا۔ اس لیے ہر مسلمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت رکھنا اور دل میں ان کی عزت و احترام رکھنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اپنی رضامندی کا اعلان فرمادیا، ارشاد پاک ہے: وَ السَّبِقُونَ الْاُولٰٓئِیْنَ مِنَ الْمُہْجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۗ رَضِیَ اللہُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتِہَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا اَبَدًا ۗ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ (سورۃ التوبہ: ۱۰۰)۔ ترجمہ: انصار، مہاجرین اور ان کے پیروکار جو ایمان میں سبقت کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے، اور وہ اس

سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

مناقب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین: جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے بابرکت صحبت کی بدولت وہ عظیم شخصیات ایسے بلند مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ بعد والوں میں کوئی ان کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا، کیوں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا اور کسی نبی سے ملے بغیر کوئی صحابی نہیں بن سکتا۔ وہ اس دور میں گذرے ہیں جس دور کو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ”بہترین زمانہ“ فرمایا ہے۔ (بخاری: ۳۶۵۱)۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکباز جماعت سے دلی محبت اور عقیدت رکھنا عین ایمان ہے۔ جبکہ ان کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ بے ادبی اور گستاخی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے: میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہنا کیوں کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے گا تو بھی وہ ان کے ایک ”مُد“ کے برابر نہیں پہنچے گا، نہ ہی آدھے مُد کے برابر (بخاری: ۳۶۷۳ / مسلم: ۲۲۲)۔ ایک مُد (صاع کے چوتھے حصے کو کہا جاتا ہے جو ۶۸.۰۶۸ گرام کا ہوتا ہے)۔

عشرہ مبشرہ

عربی زبان میں ”عَشْرَةٌ“ کے معنی دس ہے، جبکہ ”مُبَشَّرَةٌ“ لفظ بشارت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں: بشارت دیا ہوا، ”عشرہ مبشرہ“ سے مراد: وہ دس جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن کو حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت فرمائی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ فرمایا: أَبُوبَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، وَعُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ، وَطَلْحَةُ فِي الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِي الْجَنَّةِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ فِي الْجَنَّةِ، وَسَعْدُ فِي الْجَنَّةِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِي الْجَنَّةِ۔ (سنن ترمذی، حدیث: ۳۷۷۷) ترجمہ: ابو بکر جنت میں ہوگا، عمر جنت میں ہوگا، عثمان جنت میں ہوگا، علی جنت میں ہوگا، طلحہ جنت میں ہوگا، زبیر جنت میں ہوگا، عبدالرحمن بن عوف جنت میں ہوگا، سعد جنت میں ہوگا، سعید جنت میں ہوگا، ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہوگا۔ یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ ان سب کا مختصر اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے:

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: آپ کا نام عبد اللہ بن ابی قافہ ہے، مرد حضرات میں آپ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ وہ شخصیت ہیں جن کے والد، اولاد اور بیوی تمام صحابہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے سفر و حضر کے ساتھی، اور یارِ غار ہیں۔ سفر معراج کی تصدیق کرنے کی وجہ سے ”صدیق“ کہلائے، امت کے پہلے خلیفہ راشد ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ۱۳ ہجری میں ۶۳ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور روضہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ میں مدفون ہیں۔

۲۔ حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ: حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی دعا سے آپ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے، حق و باطل میں فرق کرنے کی وجہ سے ”فاروق“ کہلائے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید جمع کروایا۔ اسلام کے دوسرے خلیفے بننے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کو مضبوط کیا اور فلاح انسانیت کے کام کیے، مسجد الحرام اور مسجد النبوی کو کشادہ کروایا۔ دس برس خلیفہ رہنے کے بعد ابو لؤلؤ فیروز جوسی کے ہاتھوں شہید ہوئے اور روضہ رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ میں مدفون ہیں۔

۳۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی دو شہزادیاں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے (ایک کی رحلت کے بعد دوسرا نکاح کیا) ”ذوالنورین“ کہلاتے ہیں۔ جبکہ دین کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کی وجہ سے ”غنی“ کہلائے۔ آپ رضی اللہ عنہ ناشر القرآن اور اسلام کے تیسرے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے بڑا رومہ خرید کر وقف فرمایا، اور کئی مواقع پر مالی امداد فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد حیا دار اور رحم دل شخصیت کے مالک تھے، آپ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے اپنے گھر میں ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری میں شہید کر دئے گئے۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۴۔ حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا، جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے پچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فاتح خیبر ہیں اور ”ابوتراب“ کی کنیت سے مشہور ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ہوئی۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۵ ہجری میں مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا جہاں ۲۱ رمضان ۴۱ ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ عبد الرحمن ابن ملجم ملعون کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ عراق کے شہر نجف اشرف میں مدفون ہیں۔

۵۔ **حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین فی الاسلام میں سے ایک ہیں۔ آپ جو دو سخا اور فیاضی کی وجہ سے طلحہ الخیر اور طلحہ الفیاض کے لقب سے مشہور ہیں۔ بدر کے موقعہ پر حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ان کو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ قریش کے قافلہ کی خبر گیری کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شامل رہے، ۳۶ھ میں جنگ جمل کے موقعہ پر شہید ہو گئے اور بصرہ عراق میں مدفون ہیں۔

۶۔ **حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بے حد شجاع اور دلیر تھے، اسلام کے لیے سب سے پہلے تلوار چلائی، ”حواری رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ“ کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ جنگ جمل کے بعد بصرہ کے قریب عمرو بن جرموز کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور بصرہ عراق میں مدفون ہیں، رحلت کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۷ برس تھی۔

۷۔ **حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں، ابتدا میں عبد الکعبہ یا عبد عمرو کے نام سے موسوم تھے، جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے آپ رضی اللہ عنہ کا نام عبد الرحمن رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دو ہجرتیں فرمائیں، اور مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن ربیع انصاری کے مواخاتی بھائی بنے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے پیشہ تجارت میں بے حد برکت دی تھی، صدقہ خیرات اور راہ حق میں دل سے خرچ کرتے تھے۔ ۳۲ھ میں ۷۵ برس کی عمر میں رحلت فرما گئے اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

۸۔ **حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:** آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام مالک تھا اس لیے سعد بن مالک کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ۱۷ برس کی عمر میں اسلام لائے اور سابقین اولین میں شمار ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو بدلہ لینے اور جو ابی کاروائی کی اجازت نہ تھی تاہم آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے شانے کی ہڈی سے ایک مشرک کا سر پھوڑنے والے پہلے شخص ہیں، آپ رضی اللہ عنہ ماہر تیر انداز تھے، غزوہ احد میں جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے انھیں فرمایا: يَا سَعْدُ اِزْمِرْ فِدَاكَ اَبِي وَ اُمِّي۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی: ۴۰۵۹) میرے ماں باپ تجھ پر قربان، سعد! تیر بھینکتے رہو۔ آپ رضی اللہ عنہ عظیم فاتح اور بڑے جرنیل تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ رضی اللہ عنہ نے ایران فتح کیا۔ اور چین کے شہر گوانگزو

۹۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کے والد زید اسلام سے قبل بھی دین حنیف کے پیروکار تھے اور کفریہ و مشرکانہ عقائد کے ساتھ ہر قسم کے فسق و فجور سے دور رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائے اسلام میں ایمان قبول کیا اور پھر ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت خطاب (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن) نے بھی اسلام قبول کیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی کی تھی۔ غزوہ بدر میں آپ رضی اللہ عنہ قریش کے قافلہ کا تعاقب کرنے کے لیے نکلے تھے، بقیہ تمام غزوات اور جنگوں میں شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہیں جو دمشق کے گورنر بنے، آخر عمر میں آپ رضی اللہ عنہ نے زہد و قناعت پسندی کی وجہ سے مدینہ منورہ کے قریب وادی عقیق میں سکونت اختیار کی اور وہیں رحلت فرمائی اور مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

۱۰۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کا نام عامر بن عبد اللہ بن جراح ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے والد چونکہ ان کے ہاتھوں حالت کفر میں قتل ہوئے، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے آپ کو ”امین طہذہ الامۃ“ (اس امت کا امین) لقب عطا فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ تمام غزوات اور اہم مواقع میں شامل رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دمشق، شام و فلسطین کی فتح میں بے حد جدوجہد کی، بعد میں آپ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نہایت سادگی پسند اور قانع تھے۔ ۱۸ھ کو طاعون کی وبا سے دمشق کے قریب جابیہ مقام پر رحلت فرمائی اور وہاں ہی مدفون ہیں۔

مناقب صحابہ کرام و عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم پر تقریری نشست کا اہتمام کروائیں یا ہم اپنی روزمرہ کی عملی زندگی میں کیا استفادہ کر سکتے ہیں۔ باہمی مذاکرہ کے ذریعے نکات مرتب کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مضمون تحریر کریں۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ صحابی کے لفظی و اصطلاحی معنی تحریر کریں۔

۲۔ عشرہ مبشرہ کے لفظی معنی بتائیں۔

۳۔ عشرہ مبشرہ کے نام تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ عشرہ مبشرہ کے معنی ہیں:

(ب) دس ساتھی

(الف) دس دوست

(د) خوشخبری سنائے جانے والے دس آدمی

(ج) دس عمل

۲۔ صحابی وہ ہے جس نے ایمان کی حالت میں حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے:

(ب) تجارت کی ہو

(الف) ملاقات کی ہو

(د) مواخات کی ہو

(ج) دوستی کی ہو

۳۔ حدیث شریف میں سب سے بہتر زمانہ قرار دیا گیا ہے:

(ب) حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ

(الف) موجودہ زمانہ کو

وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ کو

(د) آخرت کے زمانہ کو

(ج) بعثت سے قبل کے زمانہ کو

طلبہ و طالبات میں سے ہر ایک شاگرد سے مرد، عورتوں، بچوں اور بوڑھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب سے متعلق مضامین تیار کروائیں، جس میں ان کی علمی خدمات کو بھی واضح کیا گیا ہو، اس کے لیے ان کو انٹرنیٹ سے مدد لینے کی تربیت دی جائے۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

علم کی اہمیت و فضیلت

حاصلاتِ تعلم

- علم کے معنی و مفہوم بیان کر سکیں۔
- علم کی اہمیت و فضیلت و افادیت سمجھ کر روزمرہ کی عملی زندگی میں استفادہ کر سکیں۔

علم کے معنی و مفہوم: ”علم“ کے لغوی معنی جاننے اور آگاہ ہونے کے ہیں۔ جبکہ تعلیم کا لفظ دوسروں کو علم دینے اور سکھلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں ”انسان کا حواسِ خمسہ اور عقل کے ذریعے کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کا نام علم ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات و احسانات ہیں اور انسانوں کے اوپر جو خاص نعمتیں اور نوازشیں ہیں، ان میں سے علم کا عطا کرنا سب سے بڑی نعمت اور احسان ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد سب سے پہلے جو چیز آپ کو عطا ہوئی وہ علم تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا**۔ (سورۃ البقرہ: ۳۱) ترجمہ: اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھادیئے۔

علم کی اہمیت و فضیلت: رب کائنات نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دے کر اسے علم و عقل سے نوازا۔ علم کے ذریعے ہی انسان کے لیے ساری کائنات مسخر کر دی گئی۔ علم ہی کی وجہ سے انسان کو تمام باقی مخلوقات پر شرف حاصل ہے۔ علم ہی انسان کے لیے عظمت و شرف کی بنیاد ہے اور سر بلندی کا ذریعہ ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ عالم الغیب، علام الغیوب اور علیم بذات الصدور جیسی صفات رکھتا ہے۔ تمام مخلوق کو اس کی ضرورت کا علم عطا کرنے والی ذات بھی وہی ہے۔ جس زمانہ میں عرب میں اسلام کا آغاز ہوا، دنیا علم کی اہمیت سے ناواقف تھی، اسلام نے علم کی قدر و قیمت بتائی اور لوگوں کو تحصیل علم کی رغبت دلائی۔ علم اور اہل علم کی فضیلت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا، اللہ ان کے درجے بلند کر دیں گے۔ (سورۃ المجادلہ: ۱۱) یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: اور دعا کیجیے: اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرمادیجیے۔ (سورۃ طہ: ۱۱۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ پس نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ (الزمر: ۹)

علم اور اہل علم کی فضیلت میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ (سنن ترمذی، حدیث: ۲۶۸۲) ترجمہ: اہل علم ہی انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک سمجھ والا عالم، شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۲)۔ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجہ: ۲۲۳) ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔

علم و اخلاق کے زیر سایہ اگر بہتر تربیت کا اہتمام ہو تو انسان میں اچھے برے کی تمیز، صحیح اور غلط کا امتیاز، خالق و مالک کی پہچان، اس کی مخلوق سے محبت، ہمدردی اور خیر خواہی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور وہ سیرت و کردار کے اعتبار سے باوقار اور کارآمد فرد بن جاتا ہے اس لیے اسلام میں علم حاصل کرنا فرض شمار کیا گیا ہے۔ جب کہ اپنے ماتحتوں، اولاد اور اہل خانہ کی اخلاقی تربیت کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر لازم کی گئی ہے۔ اس لیے علم و اخلاق کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تصور کیا جاتا ہے بلکہ اخلاقی دیگر تمام تر صفات کی بنیاد علم ہے جسے ہر صورت فوقیت دینا ایک مسلمان کا پہلا فریضہ ہونا چاہیے۔

طلبہ و طالبات سے درج ذیل عنوان پر نوٹ تحریر کروائیں:

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات

• حدیث شریف میں اہل علم کے اوصاف • حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ بحیثیت معلم

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوال کا تفصیلی جواب تحریر کریں:

۱۔ علم کی اہمیت و فضیلت و افادیت پر مضمون تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ علم کے معنی اور مفہوم کیا ہیں؟

۲۔ علم کی اہمیت سے متعلق قرآن کریم کی کوئی ایک آیت اور اس کا ترجمہ بیان کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوال کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد پاک ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں:

(الف) علماء کرام (ب) اولیاء کرام

(ج) اساتذہ کرام (د) طلباء کرام

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ طلبہ و طالبات سے درج ذیل عنوان پر مضمون تحریر کروائیں:

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

• علم کی اہمیت و فضیلت • علم اور اہل علم کی فضیلت

اسلام میں خاندان کی اہمیت

حاصلاتِ قلم

- اسلام میں خاندان کی اہمیت و افادیت واضح کر سکیں۔
- خاندان کے باہمی حقوق بیان کر سکیں۔
- روزمرہ کی عملی زندگی میں ادائیگی حقوق کی کوشش کر سکیں۔

خاندان کے معنی و مفہوم: ”خاندان“ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی گھرانہ، کنبہ، قبیلہ، بال بچے، حسب نسب کے ہیں۔ ایک ہی نسل کے قریبی رشتہ داروں کا مجموعہ عائلی (خاندانی) زندگی کا مفہوم ہے۔ انسان کی فطرت و طبیعت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اکیلے نہیں رہ سکتا بلکہ گھر، محلہ، گاؤں اور شہر بسا کر اکٹھے رہتا ہے، خاندان کے اہم عناصر ماں باپ، میاں بیوی اور اولاد بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آہستہ آہستہ وسعت اختیار کر کے دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی، پھوپھا، پوپھی، خالو، خالہ، ماموں مامی، اور ان کی اولاد یہ رشتے مل کر ایک کنبہ یا خاندان بناتے ہیں۔ خاندانی زندگی انسان کی تمدنی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے، لیکن انسان اپنی سماجی فطرت کی وجہ سے اپنے خاندان، رشتہ داروں اور دیگر انسانوں کے بغیر آرام و اطمینان والی زندگی گزار نہیں سکتا۔ گویا خاندان معاشرے کا بنیادی جزو ہے۔

خاندان کا آغاز اور معاشرتی ضرورت و اہمیت: خاندان اور کنبہ سے ہی معاشرتی زندگی کی شروعات ہوتی ہے۔ خاندان کی ابتدا مرد و عورت (شوہر اور بیوی) کے باہمی نکاح سے شروع ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اسلام دونوں مرد و عورت کو مساوی اہمیت دیتا ہے۔ ہر ایک کا دائرہ متعین ہے، اسلام ہر ایک کے حقوق و فرائض کی ادائیگی پر تلقین و تاکید کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ (سورۃ الحجرات: ۱۳)

انسانوں کے علاوہ خاندان اور رشتوں ناطوں کا تصور کسی بھی مخلوق میں موجود نہیں، یہ شرف اشرف المخلوقات انسان کو حاصل ہے کہ وہ گھر میں ماں، باپ، دادا، دادی، بہن، بھائیوں اور اولاد کی حیثیت میں عزت و احترام، پیار و محبت سے پیش آتے ہیں، مرد کما کرتا ہے، ان کی ضروریات کو پورا کرتا ہے، اگر ان کے درمیان ان بن ہو جائے تو خوش دلی سے ان کا تفسیر کرتا ہے، یہ تمام چیزیں ایک خاندان کی بدولت ظاہر ہوتی ہیں اس لیے اسلام نے خاندان کو سماج اور صالح معاشرہ کی زینت بنایا ہے۔

میاں بیوی کا رشتہ: انسانیت کی بقاء اور نسل انسانی کا وجود مرد و عورت کے باہمی تعلق سے ہے اور انسانوں کے باہمی تعلقات میں میاں بیوی کے رشتہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جانین کے والدین کی رضامندی کے بعد ایجاب و قبول اور نکاح کے اعلان سے رشتہ قائم ہوتا ہے، اور اس سے عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں۔ نکاح ہی اچھے خاندان اور پاکیزہ سماج کو جنم دیتا ہے۔ قرآن کریم نے رشتہ ازدواج کو ”احسان“ کا نام دیا ہے، یعنی قلعہ بند ہو کر محفوظ ہو جانا۔ درحقیقت نکاح ایک معاہدہ ہے، جس کے ذریعہ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے زندگی کے دو ساتھی، دکھ سکھ میں شریک اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن جاتے ہیں۔ مشکلات اور مسائل کے حل میں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں۔ زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد تک ان کی خوشگوار اور باہمی الفت و اعتماد کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس قدر محبت و الفت زیادہ ہوگی اسی قدر اس کا نتیجہ بھی نفع بخش ہوگا۔ نکاح نسل انسانی کے لیے نہ صرف بقا کا سبب ہے بلکہ اس کے ذریعہ آدمی بہت ساری غیر اخلاقی کاموں سے محفوظ رہتا ہے، اولاد پیدا ہوتے ہی ایک نئے خاندان کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے زوجین کے تعلق مزید مضبوط ہو جاتے ہیں۔ دونوں طرف سے محبت و احترام بڑھ جاتا ہے۔ گھر اولاد کی وجہ سے بارونق ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: **لَا تَنْكَحُوا مَنْ سُنَّتِي قَبْلَ رَغَبٍ عَنْ سُنَّتِي** فَالَيْسَ بِمَيِّتٍ۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۸۴۶) ترجمہ: نکاح والی زندگی گزارنا میری سنت ہے، پس جو بھی میری سنت سے اعراض کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نکاح کے اس بابرکت رشتہ کو اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے لیے باہمی پردہ اور لباس قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** ۝ (سورۃ البقرہ: ۱۸۷) ترجمہ: وہ (عورتیں) تمہارے لیے ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

خاندان (ازدواجی زندگی) کے مقاصد: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عائلی (خاندانی) زندگی کا مقصد نسل انسانی کی بقا اور اس کی افزائش ہے۔ • انسان کو سکون و اطمینان ازدواجی زندگی سے ہی ملتا ہے۔ • زوجین میں باہمی محبت و الفت کا وسیلہ بنتا ہے۔ خاندانی زندگی کے راحت و سکون کا سبب بنتا ہے۔ • فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوتی ہیں۔ • نسل انسانی کا تسلسل اور بقاء بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ • اجتماعیت کا ایک خاص حلقہ وجود میں آتا ہے جن کے مفادات مشترک ہوتے ہیں جس کی بنا پر کنبہ اور معاشرہ مضبوط ہوتا ہے۔

میاں بیوی کے حقوق و فرائض: حدیث میں ہے کہ: **كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ**۔ (صحیح بخاری: ۲۴۰۹) ترجمہ: تم سب نگران ہو اور تم سے تمہاری نگرانی میں موجود افراد اور رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق زوجین کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق و فرائض مقرر کیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ**

بِالْمَعْرُوفِ - (البقرہ: ۲۲۸) ترجمہ: اور عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ اسی طرح ان عورتوں کے حقوق میں: نان نفقہ، لباس، مکان، علاج معالجہ اور دیگر ضروریات مہیا کرنا شوہر کی ذمہ داری ہے، اپنے مالی وسائل کے اعتبار سے یہ ضروریات پوری کرے گا، بیوی کو مہر میں دی گئی رقم یا دیگر ذاتی ملکیت رکھنے اور کاروبار کرنے کا جائز حدود میں اجازت دینا۔ مرد کے فرائض میں یہ امور بھی شامل ہیں: بیوی اور گھر کے دوسرے افراد سے پیار و الفت سے پیش آنا۔ اس پر ظلم و زیادتی نہ کرنا۔ عدل و احسان کا رویہ اختیار کرنا۔ ان کے حقوق شریعت کے مطابق ادا کرنا۔

بیوی کی ذمہ داری ہے کہ شوہر کی عدم موجودگی میں شوہر کے مال و اسباب کی امانت کی طرح حفاظت کرے، شوہر کی اجازت کے بغیر کسی نامحرم کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے، فرمان الہی ہے۔ فَالضُّلْحُتُ فَنَنْتُ حِفْظُ لِّلْعَيْبِ بِمَا حَفَظَ اللّٰهُ۔ (النساء: ۳۴) ترجمہ: تو جو نیک پیمیاں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں اور ان کی پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔ شوہر کی آمدنی اور مالی حیثیت سے بڑھ کر خرچہ کا مطالبہ نہ کرے۔ شوہر کے گھر میں کوئی تکلیف یا تنگی دیکھے تو خواجواہ دوسروں کو اس کی شکایت نہ کرے بلکہ درگزر اور برداشت کرے۔ شوہر یا گھر کے راز افشاں نہ کرے۔ نسب و نسل کی حفاظت اور بچوں کی نگہداشت و تربیت کرے، شوہر کی خدمت و اطاعت کرے وغیرہ۔ حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَآصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۰۵۳) ترجمہ: تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

والدین کا ادب و احترام: تمام رشتوں میں والدین کا رشتہ اہم اور قابل احترام ہے، ان ہی کی وجہ سے ہم اس جہاں میں آئے، اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش سے ہمارے اندر قوت پیدا ہوئی، اس لیے ہمیں والدین کی خدمت اور احترام میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہی حکم دیتا ہے: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۗ إِمَّا يَبُلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تَنْهَهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿۲۳﴾ (سورۃ الاسراء: ۲۳-۲۴) ترجمہ: اور آپ کے پروردگار نے یہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو، ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو، اگر تمہارے سامنے ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو آف تک نہ کہو، اور نہ ان کو جھڑکو، ان کے ساتھ خوب ادب کے ساتھ بات کرو۔ ان کے سامنے نیاز مندی سے عاجزی کے ساتھ جھکے رہو، اور دعا کرتے رہو: اے میرے رب! جیسے ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی آپ ان پر اسی طرح رحم فرمائیے۔

ماں باپ اگر کافر اور مشرک ہی کیوں نہ ہوں، دنیا میں ان کا ادب و احترام کرنا، ان کی فرمانبرداری کرنا، اچھا سلوک کرنا اور خدمت کرنا لازمی امر ہے۔ ہاں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا کفر و شرک اختیار کرنے کا حکم کریں تو ان سے معذرت کی

جائے گی۔ والدین کے رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی بہتر تعلق رکھنا چاہیے، والدین کے حقوق (اولاد کے فرائض) یہ ہیں: • عزت و احترام۔ • اطاعت و فرمانبرداری۔ • حسن سلوک۔ • والدین کے اقرباء و رفقہاء سے حسن سلوک۔ • اعتراف شکر۔ • دعائے مغفرت۔

اولاد کے حقوق: خاندان کی رونق اولاد ہے اور اولاد کا مقصد بقاء نوع اور زندگی کا سبب ہے، اولاد ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اولاد کے لیے باپ کے ذمے ادب سکھانا اور صحیح تربیت ہے۔، ساتھ ہی والدین پر ان کے لیے بعض دیگر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن کو اولاد کے حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اولاد کی اچھی پرورش، تعلیم اور اچھی تربیت کا اہتمام کرنا۔ رحمت و شفقت کرنا۔ اچھی جگہ ان کی شادی کرنا۔ وراثت میں عدل کرنا۔ • اولاد کو دین کی ضروری باتیں، قرآن کریم کی تعلیم اور نماز کی تربیت دینا۔ • اولاد کو اسلامی اقدار کی تعلیم دینا • اولاد کے درمیان برابری اور انصاف کا معاملہ رکھنا، بیٹیوں کو بھی بیٹوں کی طرح تحفہ تحائف اور پیار میں شریک کرنا۔ بیٹی کی پیدائش پر نمگین نہ ہونا کیوں کہ ناراضگی کا اظہار کرنا ناشکر ہے۔ • اولاد پر بے جا سختی اور تشدد سے پرہیز کرنا اور ان سے شفقت اور پیار و محبت کا رویہ رکھنا۔ • اپنی اولاد کو بھوک و تنگدستی کی وجہ سے قتل نہ کرنا۔

خاندان سے حسن سلوک: والدین کے بعد قرابت داروں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا، بہن بھائی اور وہ رشتہ دار جو ماں باپ کے تعلق سے رشتہ دار بننے ہیں مثلاً: دادا، دادی، نانا، نانی، ماموں، خالہ، پھوپھی، چچا، چچا زاد، تایا زاد، خالہ زاد، ماموں زاد ان سب کے ساتھ حسن سلوک روارکھنے اور ان کی مالی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرابت دار بلکہ ہر مسلمان کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا چاہیے، ان کو ایذا دینا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وَاَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دیجیے کہ (جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا چاہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے (البقرہ: ۲۱۵)۔

خاندان والوں کے باہمی حقوق: خاندان کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہر ایک کے لیے لازمی ہے کہ • خاندان والوں سے حسن سلوک کرے۔ • محبت و شفقت سے پیش آئے۔ • مصیبت و پریشانی کے وقت دلجوئی کرے۔ غربت اور تنگ حالی کے وقت مالی مدد کرے۔ • خاندان کے یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت کرے۔ • خاندان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرے۔ • باہمی تعاون کرے (مسائل حل کرنے میں مالی، جسمانی اور نیک مشوروں کی صورت میں تعاون کرے)۔ • خاندان میں تنازعات کے وقت صلح و صفائی کرے۔

ایک گروپ موجودہ ماحول میں ان امور کی نشان دہی کریں جو خاندان کو نقصان اور تعلقات کو کمزور کر رہے ہیں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ اسلام میں خاندان کی اہمیت پر مضمون تحریر کریں۔
- ۲۔ شوہر بیوی کے حقوق و فرائض پر نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ خاندان سے کیا مراد ہے تحریر کریں۔
- ۲۔ والدین کے ادب و احترام کے متعلق تحریر کریں۔
- ۳۔ اولاد کے حقوق تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ تمام رشتوں ناطوں میں سے اہم رشتہ ہے:

- | | |
|------------------|--------------------|
| (الف) ماں باپ کا | (ب) میاں بیوی کا |
| (ج) بہن بھائی کا | (د) استاد شاگرد کا |

۲۔ خاندان کی خوبصورتی ہے:

- | | |
|------------------|-----------|
| (الف) افراد خانہ | (ب) دولت |
| (ج) اولاد | (د) وارثت |

خاندان کی اہمیت پر تقریری مقابلہ کروائیں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

احترام انسانیت

حاصلاتِ تعلم

- احترام انسانیت کا مفہوم بیان کر سکیں۔
- احترام انسانیت کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- احترام انسانیت کے منافی صورتوں سے اجتناب کر سکیں۔

احترام انسانیت کا مفہوم: ”احترام“ کے معنی عزت اور قدر، فضیلت اور برتری کے ہیں۔ ”احترام انسانیت“ کا مطلب ہے انسان کی عزت اور بڑائی۔ انسان اشرف المخلوقات یعنی انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ہے، اس کو دوسری تمام مخلوقات پر برتری حاصل ہے۔ یعنی اس کائنات میں ہر انسان کو عزت و فضیلت کا مرتبہ و مقام حاصل ہے۔ کسی بھی رنگ و نسل، مذہب و زبان، قوم اور ملک سے تعلق رکھنے والے ہر انسان کو دوسرے انسان کی جان، مال اور عزت کا تحفظ دینا ”احترام انسانیت“ کہلاتا ہے۔

احترام انسانیت کی اہمیت: اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر بڑا شرف اور عزت بخشی ہے۔ اس نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان والی تمام اشیاء کو انسانوں کے فائدہ اور آسانی کی خاطر پیدا فرمائی ہیں، تمام چیزیں سب انسانوں کے لیے مشترکہ میراث ہیں۔ ہر انسان ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔ انسانیت کے اس بڑے شرف کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوَجْدِ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝** (سورۃ الاسراء: ۷۰) ترجمہ: ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی ہے، ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی ہے، ان کو پاکیزہ چیزیں رزق دی ہیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت سے نوازا ہے۔

انسان کو علم و عقل اور گویائی کی نعمت ملی، جس سے وہ اپنا مافی الضمیر مناسب پیرائے میں بیان کر سکتا ہے۔ یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ سب انسان اس میں برابر ہیں۔ اسلام رنگ و نسل، زبان اور وطن کے امتیازات کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک بڑائی اور بزرگی کا معیار صرف تقویٰ اور اللہ تعالیٰ خوف کا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ** (الحجرات: ۱۳) ترجمہ: بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دنیا کے تمام لوگ ایک ہی اصل سے ہیں۔ ترجمہ: تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے۔ (النساء: ۱)

قرآن مجید نے انسان کو اس کے صحیح منصب سے آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین پر خلیفہ اور نائب بنایا ہے اس کو اس کی ذمہ داریوں کی اصل حیثیت سے آگاہ کر کے اسے بہت سے باطل معبودوں کی غلامی سے آزاد کر دیا اور اسے ذمہ دار اور باوقار بنا دیا، اسے بتایا گیا ہے کہ وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہے، کسی کو کسی پر سوائے ایمان، علم اور تقویٰ کے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ ان تمام آیات مبارکہ میں عمومی طور پر مجرد انسان کو ہی حیثیت دی گئی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

انسانیت اور دورِ جہالت: اسلام سے پہلے والے زمانہ کو ”دورِ جہالت“ کہا جاتا ہے، اس دور میں انسانیت کا احترام تقریباً لوگوں کے اندر سے ختم ہو چکا تھا۔ لوگ پتھروں، درختوں، دریاؤں، سمندروں، سورج، چاند، ستاروں اور دیگر طاقتور چیزوں کو محترم اور لائقِ عزت سمجھتے تھے۔ ان بے جان اور بے اصل چیزوں کو دیوتا مان کر ان کی پرستش کرتے، ان کے سامنے منتیں مانتے اور جانور لاکر نذر کے طور پر قربان کرتے، بعض مشرکین تو ان دیوتاؤں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی اولاد تک ان کے سامنے قربان کر دیتے تھے۔

اسلام نے ایسے باطل خیالات اور رسومات کو رد کیا، ایک طرف انسانوں کو انسانیت کے احترام کا درس دیا اور دوسری طرف بڑائی، تکبر اور خود پسندی جیسی خصلتوں کو برا ٹھہرایا، حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے لوگوں میں یہ پیغام عام کیا کہ: اے انسانو! تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو، جس کی پیدائش مٹی سے ہے، اس لیے تم میں سے بعض انسانوں کا اپنے آپ کو بڑا اور اونچا سمجھنا اور تکبر کرنا نہایت نا سنجھی اور جہالت کی بات ہے۔ (مسند احمد، حدیث: ۲۳۴۸۹)

احترامِ انسانیت کے منافی اشیاء: انسان پر ہیزگاری اور حسنِ خلق کی وجہ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور ایسی بہت سی صفات

اور عادات / باتیں ہیں جو احترامِ انسانیت کے منافی ہیں جن میں سے چند کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

- تکبر (نخوت و کبر) اللہ تعالیٰ یا مخلوق کے سامنے خود کو فکری، علمی، مالی یا نسبی اعتبار سے قابلِ فخر سمجھنا۔
- لوگوں کو حقیر سمجھنا، ان سے تمسخرانہ یا ہتک آمیز رویہ اختیار کرنا، اور الزام بازی کرنا۔
- لوگوں سے ظلم و زیادتی یا غیر منصفانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنا۔ ان کی عیب جوئی اور تجسس بازی کی کوشش کرنا۔
- اولاد میں چھوٹے بڑے، عقلمند، ناسمجھ یا بیٹے اور بیٹی کی بنیاد پر غیر مساوی سلوک کرنا۔
- کسی انسان کی جسمانی یا عملی کوتاہی کی بناء پر اسے طعن و تشیع کرنا، برے القاب سے پکارنا یا اس کی کسی بھی قسم کی بے توقیری اور بے عزتی کرنا۔
- ایک دوسرے سے بد اخلاقی، بد کلامی، یا ناشائستہ اندازِ گفتگو کا مظاہرہ کرنا۔

- طلبہ اپنے ماحول میں روزمرہ کی عملی زندگی میں احترام انسانیت کا کوئی اپنا واقعہ سنائیں۔
- احترام انسانیت کے منافی اعمال۔ باہمی مباحثہ کے بعد نکات کی صورت میں تحریر کریں۔

سرگرمی برائے
طلبہ و طالبات

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں:

- ۱۔ احترام انسانیت پر دس نکات تحریر کریں۔
- ۲۔ احترام انسانیت سے متعلق قرآن کریم کیا حکم دیتا ہے؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

- ۱۔ احترام انسانیت کا مفہوم تحریر کریں۔
- ۲۔ احترام انسانیت کی منافی صورتیں تحریر کریں۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں احترام انسانیت تھا:

- | | | | |
|-------|-------|-----|------|
| (الف) | زیادہ | (ب) | کم |
| (ج) | ختم | (د) | بہتر |

۲۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو:

- | | | | |
|-------|---------------------|-----|---------------------|
| (الف) | زیادہ تقویٰ والا ہو | (ب) | زیادہ مرتبے والا ہو |
| (ج) | زیادہ علم والا ہو | (د) | زیادہ دولت والا ہو |

اساتذہ کرام طلبہ اور طالبات کو کچھ ایسی شخصیات کے بارے میں معلومات فراہم کریں جو احترام انسانیت کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں مثلاً: عبدالستار ایدھی کا تیبوں اور محتاجوں کی دیکھ بھال کرنا۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

- عدل اجتماعی کا مفہوم اور اسلام میں تصور بیان کر سکیں۔
- عدل اجتماعی کی اہمیت اور اثرات بیان کر سکیں۔
- دورِ حاضر میں عدل اجتماعی کی ضرورت اور صورتیں بیان کر سکیں۔
- عدل اجتماعی کے فوائد (عادلانہ معاشرے کا قیام) بیان کر سکیں۔

عدل اجتماعی کا مفہوم: عدل عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا، برابری کرنا۔ دو چیزوں کے درمیان موازنہ کرنا۔ دو حالتوں میں توسط اختیار کرنا۔ اصطلاح میں عدل کا مفہوم بہت وسیع ہے کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا اس طرح کہ دونوں میں کمی بیشی نہ ہو۔ کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا۔ یعنی قول و عمل میں سچائی کی میزان کو کسی ایک طرف جھکنے نہ دینا، وہی کام کرنا چاہیے اور وہی بات کہنی چاہیے جو سچائی کی کسوٹی پر پوری اترے۔ نیز ہر شخص کے ساتھ بلا رو رعایت معاملہ کیا جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ عدل کے مقابلے میں ”ظلم“ آتا ہے، یعنی کسی چیز کو بے محل و موقع رکھنا۔ ایک ظالم کرنے کے ساتھ ”عدل“ یہ ہے کہ اسے ظلم سے نجات دلائی جائے۔

عدل کی اہمیت: اسلام امن و سلامتی کا دین ہے وہ دنیا کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ اس نے ایک ایسے ضابطہ حیات کو مرتب کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے ہم کنار ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے عملی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ”عدل“ پر زور دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاشرہ کی ہر طرح کی بے چینی اور خرابی کی اولین وجہ ”عدل“ سے انحراف ہے۔ معاشرہ میں خرابی اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے افراد ”عدل“ کو چھوڑ دیں۔ اسلام نے عدل کے متعلق تمام پہلوؤں میں رہنمائی فرمائی ہے چاہے عدل اجتماعی ہو یا انفرادی، معاشی ہو یا معاشرتی، قانونی ہو یا سیاسی۔

عدل ہی معاشرے کے بہتر نظام کا ضامن ہے، اسلامی معاشرتی زندگی کا بھی یہی تقاضا ہے کہ لوگوں کے درمیان اور زندگی کے ہر شعبہ میں عدل و انصاف کو فروغ دیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد پاک ہے ترجمہ: بے شک اللہ انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم کرتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے، تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (سورۃ النحل: ۹۰)

اس آیت کے نازل ہونے کا مقصد یہی ہے کہ تمام انسان اپنی اجتماعی زندگی میں عدل و انصاف کے ساتھ رہیں، ظلم و زیادتی کو ختم کریں تاکہ ان کی معاشرتی زندگی امن و سکون کا گہوارہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، بے شک اللہ تمہیں بڑی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، یقیناً اللہ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ النساء: ۵۸)

”اور جب لوگوں کے درمیان تم فیصلہ کرنے لگو۔“ کا مطلب ہے کہ فیصلہ کرنے والے کے لیے دونوں فریق برابر ہونے چاہئیں، چاہے وہ دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہوں یا پرانے، مسلم ہوں یا غیر مسلم، قریبی ہوں یا دور کے، امیر ہوں یا غریب، کسی بھی طرح کے ہوں فیصلہ کرنے والے کو غیر جانبدار ہو کر عدل و انصاف کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

زندگی کے ہر شعبے میں ”عدل“ کی ضرورت ہے، خواہ اس کا تعلق ہماری اپنی ذات سے ہو یا مخلوق سے، اپنی ذات کے ساتھ عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لیے لباس، خوراک، آرام وغیرہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔ مخلوق سے عدل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق پوری پوری طرح ادا کیے جائیں اور ان میں کسی طرح کی بھی کوتاہی نہ کی جائے

عدل کی اقسام: (۱) عدل انفرادی (۲) عدل اجتماعی

عدل انفرادی: انسان اپنی انفرادی ذاتی زندگی میں اعتدال کا لحاظ رکھے چاہے جسمانی (کھانے پینے، سونے، خوشی، غمی وغیرہ) زندگی ہو یا روحانی (عبادات) زندگی، یا دنیاوی معاملات ہوں یا معاشی (کسب مال) زندگی ہو۔ ہر حال میں عدل / اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھا جائے۔

عدل اجتماعی: انسانی معاشرے میں انصاف یعنی معاشرہ کے افراد میں مساوات ہو اور ہر ایک کو اپنے حقوق حاصل ہوں۔ عدل اجتماعی کی چند صورتیں درج ذیل ہیں:

قانونی مساوات: معاشرے میں قانونی مساوات کا ہونا یعنی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور قانون کو سب پر بالادستی حاصل ہو اس میں امیر ہو یا غریب، افسر ہو یا ماتحت، دوست ہو یا دشمن، اپنا معاملہ ہو یا دوسرے کسی کا، چھوٹا ہو یا بڑا کی کوئی تمیز نہ ہو۔

معاشی امور اور عدل اجتماعی: اسلام کے اقتصادی نظام میں ہر شخص اپنی صلاحیت اور پسند کے مطابق جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ روزی کمانے کا کوئی جائز ذریعہ مثلاً: تجارت، زراعت، صنعت، ملازمت وغیرہ کسی شخص کے لیے ممنوع نہیں ہیں۔ روزی حاصل کرنے کے جتنے وسائل ہیں ان کو اللہ نے سارے بندوں کے لیے مہیا کیا ہے، اس لیے ان سے فائدہ اٹھانے کا سب کو یکساں حق حاصل ہے، اسلام کسی بے روزگار اور معذور کے لیے بنیادی ضروریات کا فراہم کرنا حکومت اور سوسائٹی کا فرض سمجھتا ہے تاکہ کوئی شخص معاشی نا انصافی کا شکار نہ ہو۔

عادلانہ معاشرے کا قیام: معاشرے میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی طبقے، خاندان، قوم یا علاقے سے تعلق رکھنے کی بنا پر فضیلت نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات: ۱۳)** ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ نیز اسلام نے معاشرے میں تمام معاملات میں عدل کا حکم دیا ہے جس سے صالح و عادلانہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

عدالتی امور میں عدل اجتماعی: اسلام نے ”عدل“ کا باقاعدہ نظام پیش کیا جسے ”قضاء“ یا ”عدلیہ“ کہا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اپنے دور مبارک میں رکھی۔ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو ”عدل“ کا اس قدر خیال رہتا تھا کہ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ جب کہیں اپنے عمال روانہ فرماتے تو ان کی انتظامی قابلیت کے ساتھ ساتھ ان کی عدالتی قابلیت کے بارے میں بھی پورا پورا اطمینان کر لیتے۔

عدل اجتماعی کے اثرات: اسلام نے ”عدل“ کا جو تصور پیش کیا ہے وہ آج بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور جو اصول و ضوابط پیش کیے ہیں وہ آج بھی اہل دنیا کے لیے مشعل راہ ہیں اور ان پر عمل پیرا ہو کر دکھی انسانیت موجودہ مصائب و آلام سے نجات پاسکتی ہے۔ • معیشت میں عدل سے پورا معاشرہ خوشحال ہو جاتا ہے۔ • معاشرے میں عدل سے کوئی فرد بنیادی ضروریات سے محروم نہیں رہتا۔ • ”عدل“ زندگی کے تمام شعبوں میں توازن قائم کرتا ہے۔ • انسان کی زندگی اس وقت بہتر ہو سکتی ہے جب زندگی کے تمام عناصر میں خاص توازن و اعتدال ہو۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ عدل اجتماعی کو نظر انداز کرنے سے کون سی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں؟
- ۲۔ آپ کی نظر میں عدل اجتماعی قائم کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ عدل اجتماعی کے معنی اور اس کا مطلب بیان کریں۔
- ۲۔ قرآن کریم عدل اجتماعی کے بارے میں کیا ہنمائی کرتا ہے۔

(ج) مندرجہ سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ عدل عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں:

(الف) انصاف قائم کرنا (ب) لوگوں سے اچھا سلوک کرنا

(ج) کسی چیز کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنا (د) مظلوم کی بددعا سے بچنا

۲۔ قرآن کریم میں حکم ہے عدل کرو، کیوں کہ وہ زیادہ قریب ہے:

(الف) نیکی کو (ب) تقویٰ کو

(ج) جنت کو (د) فرمانبرداری کو

۳۔ ملک میں عدل و انصاف قائم ہو گا تو معاشرہ بن جائے گا:

(الف) امن و سکون والا (ب) ترقی یافتہ

(ج) عام بھلائی والا (د) نیکی والا

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ طلبہ اور طالبات کو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی سیرت طیبہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیاة طیبہ کی روشنی میں عدل اجتماعی پر مضمون تحریر کروائیں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

عفت و حياء

حاصلاتِ تعلم

- عفت و حياء کا مفہوم بیان کر سکیں۔
- عفت و حياء کی فضیلت و اہمیت سمجھ سکیں۔
- عفت و حياء کے مظاہر واضح کر سکیں۔

عفت کے معنی اور مفہوم: ”عفت“ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ہیں پرہیزگاری اور پاکیزگی۔ اور عفت کا شرعی مفہوم ہے: پاک دامن رہنا، اخلاقی پاکیزگی اور نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھ کر بے راہ روی، بدکاری اور بے حیائی جیسے کاموں سے نفس کو محفوظ رکھنا۔ اس کے ساتھ دوسرا لفظ آتا ہے ”عصمت“ کا جس کی معنی ہے پاک دامن، بے گناہی اور عزت۔ قرآن کریم میں سچے مومن کے کئی اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک ”عفت“ ہے کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَلْعَنُونَ (المؤمنون: ۵)** ترجمہ: اور (کامیاب مومن وہ ہے) جو اپنی شر مگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو ایسے انسان کو عقیف / عقیفہ عفت والا (پاک دامن) کہا جاتا ہے۔

”حیا“ کے لفظی معنی ہیں شرم اور غیرت، حیا کا مطلب ہے، انسان کے اندر ایک فطری اور اخلاقی صفت و دیعت کی گئی ہے، جس کے باعث وہ انسان خوفِ خدا کے جذبے کے تحت بے حیائی اور بد اخلاقی جیسے ناشائستہ کام سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے اور برائی سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے، تو ایسے انسان کو حیا دار کہا جاتا ہے۔ انسان کی شرافت، عزت اور پاک دامن کی بنیاد ہی حیا پر ہے۔ جس آدمی میں یہ صفت جتنی زیادہ ہوگی وہ برائی اور گناہ کے کاموں سے اتنی زیادہ نفرت کرے گا اور احکام خداوندی اور اخلاقی اقدار کی پابندی کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے اور پیدائش و افزائش نسل کے لیے کچھ حیوانی اور نفسانی جذبات رکھ دیے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اسے عقل اور وحی کے ذریعے جائز اور ناجائز میں تمیز بتادی ہے۔ جسم اور روح دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کو مناسب توجہ دے کر ان کی نشوونما کا خیال رکھنا انسان کا فرض ہے۔ اسلام بھی یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے جسمانی تقاضوں کو عقل و دین کے ماتحت رکھ کر زندگی بسر کرے۔ جب کوئی انسان نفسانی خواہشات کو عقل و دین کے ماتحت رکھ کر قابو میں رکھتا ہے اور روحانیت کو حیوانیت پر غالب رکھتا ہے تو اسے عفت والا کہا جاتا ہے۔ اور جب وہ ناشائستہ کاموں سے خوفِ خدا کے جذبے کے تحت گریز کرتا ہے تو اسے حیا دار کہتے ہیں۔

عفت و حیا کی فضیلت و اہمیت: عفت و حیا اسلامی اخلاق کی فہرست میں روح اور جان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عفت و حیا کی تعلیم دی ہے اور اس خلق عظیم کو تمام اسلامی فضائل میں بڑا قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ترجمہ: ہر دین کے کچھ اخلاق ہیں اور اسلام کا اخلاق حیا ہے۔ (موطأ امام مالک، حدیث: ۲۶۳۴) دوسری حدیث میں ہے کہ: ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ حیا دار اور پردہ پوشی کرنے والا ہے اور خود حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۰۱۲)۔

حیا و غیرت مومن کی ایک اہم صفت ہے کیوں کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اس ایمان کی ایک شاخ قرار دیا ہے: والحياء شعبة من الإيمان۔ (بخاری: ۹، مسلم: ۳۰) ترجمہ: اور حیا ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے۔ حیا ایک ایسی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان بڑے سے بڑے رذائل سے بچ جاتا ہے۔ جبکہ جس شخص سے یہ صفت مفقود ہو جاتی ہے تو وہ کسی شر اور گناہ کے ارتکاب کی کوئی پرواہ نہیں کرتا نہ اس کو ندامت ہوتی ہے، اس صورت حال کے پیش نظر حضور کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ: ترجمہ: جب تم میں حیا ہی نہ رہے تو جو چاہے کرتے پھرو (سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۷۹۷)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہمارے پیارے نبی حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سب سے بڑھ کر عفت و حیا کے پیکر تھے، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کسی پردہ نشین عورت سے زیادہ حیا دار تھے اور کوئی ناپسند چیز دیکھتے تو ہمیں اس کا احساس آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کے چہرے مبارک سے ہو جاتا جبکہ فحش باتوں سے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کو طبعی نفرت تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں جن میں سے حیا بھی ایک بڑی شاخ ہے۔ (بخاری: ۹، مسلم: ۳۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: یقیناً ایمان اور حیا کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جب ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (الادب المفرد للبخاری: ۱۳۱۳)۔ جب انسان اپنی حیا کو گم کر دیتا ہے تو وہ ایک وحشی درندے کے مانند ہو جاتا ہے اپنی خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے، اچھے سے اچھے جذبات کو روندتا ہے۔ وہ غریبوں کا مال غصب کرتا ہے اور اپنے دل میں رحم نہیں پاتا۔ مخلوق خدا کو مصائب میں دیکھتا ہے تو اس پر اثر تک نہیں ہوتا۔ اس کی خود پرستی نے اس کی آنکھوں پر تاریک پردہ ڈال رکھا ہے۔ جو انسان اس پستی تک پہنچ جائے تو سمجھ لیں کہ وہ انسانیت کی حدود سے باہر ہو گیا ہے۔

عفت و حياء کے مظاہر: انسان کے عفت و حياء کا تعلق نہ صرف اس کے کردار و عمل سے ہے بلکہ اس کی سوچ و فکر، گفتار و انداز میں بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ ہر انسان اور خصوصی طور پر ایک مسلمان مرد و عورت کو اپنی طرز زندگی میں عفت و حياء کو اولیت دینی چاہیے تاکہ وہ معاشرے کے باعزت کارآمد شہری اور آخرت کے لیے مستعد افراد شمار ہو، ذیل میں وہ باتیں قابل توجہ ہیں جن میں عفت و حياء کی عکاسی ہونا لازم ہے:

گفتار: مومن کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ گالی گلوچ، بدکلامی اور ناشائستہ انداز گفتگو اپنائے، بلکہ اس کو اچھی بات کرنی چاہیے یا خاموشی اختیار کرنی چاہیے، اور نازیبا گفتگو سے بچنا چاہیے، اور فضول باتوں سے کراہت محسوس کرے یہ گفتار کی عفت و حياء ہے۔

لباس: اسلام نے لباس کے دو مقاصد گنوائے ہیں، ایک اس میں ستر ہو دوسرا زینت بھی ہو، چنانچہ مرد و خواتین کو اپنے حیا اور پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسا لباس اختیار کرنا چاہیے جس میں یہ مقاصد حاصل ہوں، اس اعتبار سے وہ لباس جو حیا اور پردہ داری کے خلاف یادوسروں سے مشابہت رکھتا ہو وہ عفت و حياء کے خلاف ہے۔

نشست و درخواست: ایک سچے مومن کو اپنی روزانہ معمولات میں ہر وقت بے حیائی اور نازیبا سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قرآن کریم مومن مرد و عورت کو حکم فرماتا ہے کہ وہ اپنی نظروں کو جھکا کر رکھیں اور اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کریں اسی طرح وہ اپنی نظر اور سوچ کو بے حیائی والی بات پر مرکوز نہ کریں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ: وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی۔ (الغافر: ۱۹)

مجلس: انسان اپنی بعض گھڑیاں کسی مجلس، میٹنگ یا مشاورتی سرگرمی میں صرف کرتا ہے اس لیے جو بھی وقت آدمی دوسرے لوگوں کے ساتھ گزارتا ہے اس دوران بھی اس کی حرکات، سکنت، گفتگو اور انداز میں عفت و حياء برقرار رہنا چاہیے۔

حیا کے تقاضے:

- انسان اپنی زبان کو فحش باتوں سے پاک رکھے۔ بے حیائی کی بات زبان پر نہ لائے اور بری باتوں کے اظہار سے شرمائے۔ حدیث میں ہے کہ: حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں (لے جانے والا) ہے۔ اور بدکلامی بد اخلاقی کا حصہ ہے اور بد اخلاقی جہنم میں (لے جانے والی) ہے۔ (الترمذی: ۲۰۰۹)
- انسان اپنے ساتھ رہنے والوں کے حقوق و مراتب پہچانے اور صاحب فضل سے اس کے علم و فضل کا احترام کرتے ہوئے اس کی آواز سے آواز بلند نہ کرے اور نہ اس سے آگے قدم بڑھائے، حدیث میں ہے کہ: جن سے سیکھو ان کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

حیا کے مراتب: بعض حکماء نے حیا کے تین مراتب لکھے ہیں:

- احکام و ادا امر خداوندی کی پابندی کرنا، اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا، نفسانی خواہشوں پر قابو رکھنا، اور موت کو یاد کر کے بڑی خواہشات سے اجتناب کرنا۔
 - لوگوں کو ایذا رسانی سے باز رہنا۔
 - خود انسان کا تنہائی میں اپنے آپ سے حیا کرنا اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو حاضر سمجھ کر تمام گناہوں سے بچنا۔
- موجودہ دور میں جدید ایجادات کی وجہ سے بے حیائی، عریانی اور فحاشی کی باتیں آسان اور سہولت سے دسترس میں آجاتی ہیں لیکن ایک مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی باتوں میں مبتلا ہو، یا ایسی باتوں کو پھیلانے کا سبب بنے کیوں کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ترجمہ: جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی یعنی تہمت بدکاری کی خبر پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہو گا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (النور: ۱۹)



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ عفت و حیا کے مظاہر کیا ہیں؟ مثالوں سے واضح کریں۔
- ۲۔ عفت و حیا کی فضیلت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں نوٹ تحریر کریں۔
- ۳۔ دین اسلام میں عفت و حیا کی کیا اہمیت ہے؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ عفت و عصمت کا مفہوم کیا ہے؟
- ۲۔ حیا کے لغوی معنی اور مطلب تحریر کریں۔
- ۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و أصحابہ وسلم کی صفت حیا کو احادیث میں کس طرح بیان کیا گیا ہے؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب کے سامنے ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ عفت کے لفظ کے ساتھ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے:

- | | | | |
|-------|------------|-----|-----------|
| (الف) | عصمت | (ب) | پاک دامنی |
| (ج) | پرہیز گاری | (د) | پاکیزگی |

۲۔ حیاء کو اہم شعبہ کہا جاتا ہے:

- (الف) اسلام کا
(ب) ایمان کا
(ج) شریعت کا
(د) قرآن و سنت کا

۳۔ اسلام میں لباس کے جو دو مقاصد ہیں وہ ہیں:

- (الف) سادگی اور صفائی
(ب) عمدگی اور نفاست
(ج) ستر اور زینت
(د) سفیدی اور کشادگی

۴۔ حدیث میں ایمان کی شاخوں کی تعداد فرمائی گئی ہے:

- (الف) پچاس سے زیادہ
(ب) ستر سے زیادہ
(ج) اسی سے زیادہ
(د) نوے سے زیادہ

۵۔ بعض حکماء نے حیاء کے مراتب بتائے ہیں:

- (الف) دو
(ب) تین
(ج) چار
(د) پانچ

طلبہ و طالبات کو عفت و حیا کے اس سبق میں دی گئی احادیث بمعہ ترجمہ بر زبان یاد کروائی جائیں اور ان کا تلفظ درست کروایا جائے۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

حاصلاتِ تلم

- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا حسب نسب اور ولادت باسعادت بیان کر سکیں۔
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن تحریر کر سکیں۔
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تربیت تحریر کر سکیں۔
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کر سکیں۔
- سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات بیان کر سکیں۔

حسب و نسب: حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا پورا نام حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور والدہ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ہیں، یعنی والدہ اور والد دونوں طرف سے آپ ہاشمی اور صاحب شرف و فضیلت ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ”ابو عبد اللہ“ اور القاب ”سَيِّدُ الشُّہَدَاءِ“، ”سَيِّدُ شَبَابِ اَہْلِ الْجَنَّةِ“ اور ”رِيحَانَةُ النَّبِيِّ“ ہیں، جبکہ امتِ مسلمہ میں آپ رضی اللہ عنہ ”شہیدِ کربلا“ کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔

ولادت باسعادت: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت بی بی فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں ابتدائی تواریخ شعبان سن ۳ یا ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں بھائی سیرت و صورت میں حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے مشابہ تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر آپ کے نانا آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی، پھر ساتویں دن آپ رضی اللہ عنہ کا نام ”حُوسین“ رکھا، ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہ کے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کیے۔ سر کے بال اتار کر دفن کیے گئے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی گئی۔

بچپن کا زمانہ: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بچپن کا زمانہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ، والدہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ پرورش میں گزرا۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سات سال اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ چھ برس کے ہوئے تو ان کے شفیق و مہربان نانا کی رحلت ہو گئی، یہ غم ابھی

بھرا ہی نہ تھا کہ کچھ ماہ بعد والدہ ماجدہ خاتونِ جنت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی اپنے دونوں نونہالوں کو داغِ مفارقت دے گئیں۔

حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ جب نماز میں مشغول ہوتے تو یہ دونوں ننھے نماز میں سجدہ کے دوران پیٹھ مبارک پر چڑھ جاتے تو آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ سجدہ کو لمبا کرتے اور آپ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے کبھی انھیں منع نہیں فرمایا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن اپنے بھائی کی طرح اپنے گھر میں والدین رضی اللہ عنہما اور حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ گزرا، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو پیار و محبت دیتے، اور ان سے عزت و احترام سے پیش آتے۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے بہت زیادہ ذہین و فطین اور اعلیٰ سیرت و اخلاق کے مالک تھے، جس کا ثبوت درج ذیل واقعہ ہے: ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی وضو کر رہا ہے، لیکن اس کا وضو کرنے کا طریقہ درست نہیں تھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ”اے چچا! ہم چھوٹے ہیں، وضو کر رہے ہیں، دیکھنا کہیں وضو میں غلطی تو نہیں کرتے۔“ جب آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا تو وہ آدمی دیکھ کر متنبہ ہو گیا کہ یہ دونوں تو وضو صحیح کر رہے ہیں، مگر میرا وضو درست نہیں۔

(بحار الانوار، امام مجلسی، ج ۴۳، ص ۳۱۹)

تعلیم و تربیت: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ابتدائی تعلیم نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور اپنے والدین سے حاصل کی۔ خصوصاً قرآن کریم کے معنی و مفہوم اور مطالب کی تعلیم والدین سے حاصل کی۔ والدہ کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں صاحب زادوں کی تعلیم و تربیت نہایت ہی عمدہ نچ پر کی کہ ان کی زندگیاں رہتی دنیا تک ایک مثال قائم ہو گئیں۔

فضائل: سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی فضیلت آپ رضی اللہ عنہ کا نبوت والے گھرانہ میں پیدا ہونا ہے کہ جس کے نانا نبی آخر الزمان حضور کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ، نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، دادا حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب، دادی فاطمہ بنت اسد، والد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ، والدہ خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا اور بھائی سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ہوں، اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کی مبارک زبان سے آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

حضور اقدس صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۷۸۱)

حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: مَنْ أَحَبَّ الْحَسْنَ وَالْحُسَيْنَ فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي ترجمہ: جو شخص حسن اور حسین سے محبت کرتا ہے وہ گویا مجھ سے محبت کرتا ہے، اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۳)

ایک دفعہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کسی دعوت پر جا رہے تھے کہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے بڑھ کر ان کو پکڑنے کے لیے اپنے ہاتھ پھیلائے۔ اس پر وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے، آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے اس کو ہنساتے ہوئے آخر میں پکڑ لیا، اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ”حُسَيْنٌ مِنِّي وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سَبَطَ مِنَ الْأَسْبَاطِ“۔ (حُسين مجھ سے ہے اور میں حسین سے، جس کی حسین سے محبت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھے گا۔ میرے نواسوں میں سے حسین ایک نواسہ ہے)۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۲۴)

سیدنا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ جب آخری ایام میں علیل ہو گئے تو خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے دونوں صاحب زادوں کے ساتھ آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئیں اور عرض کیا: ابا جان! آپ میرے ان بیٹوں کو کچھ عنایت کریں۔ تو رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اَمَّا الْحَسَنُ فَكَهْ هَيْبَتِي وَ سُودُ دِينِي وَ اَمَّا الْحُسَيْنُ فَكَهْ جُرَاقِي وَ جُودِي (المجم الکبیر للطبرانی: ۱۸۵۰۸) ترجمہ: ہم نے اپنی ہیبت و سرداری حسن کو اور جرأت و سخاوت حسین کو عطا کی۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے محبت کرنا ہے اور ان دونوں سے بغض و عناد رکھنا نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ سے بغض و عناد رکھنا ہے۔

دینی خدمات، سیرت و کردار: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی دین اسلام کے احیاء اور قرآن و سنت کی اشاعت میں بے مثال خدمات ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ درس قرآن مجید و حدیث شریف کے لیے مسجد میں بیٹھتے تو لوگوں کا بڑا حلقہ آپ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو جاتا، جب آپ رضی اللہ عنہ بولنے لگتے تو سب کے سب توجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو سنتے اور اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کرتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

اس کے علاوہ مدینہ منورہ کے لوگ قرآنی آیات کی تشریح، احادیث مبارکہ اور دیگر شرعی مسائل معلوم کرنے کے لیے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ، سخاوت و شجاعت کے پیکر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ۲۵ بار حج ادا کیے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ سے لبریز تھی۔

شادی اور اولاد: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ۴ شادیاں کیں، جن سے اولاد بھی ہوئی جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

اولاد	زوجہ
حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ (جو کربلا میں شہید ہوئے۔)	حضرت لیلی بنت ابی مرثدہ رضی اللہ عنہا
حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں۔) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا	حضرت سلامہ (شہر بانو) رضی اللہ عنہا
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ	حضرت قضاعیہ رضی اللہ عنہا
حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ (جو کربلا میں شہید ہوئے۔) حضرت سلیمانہ رضی اللہ عنہ (واقعہ کربلا میں آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں۔)	حضرت رباب بنت امری القیس رضی اللہ عنہا

یزید کی بیعت سے انکار اور سانحہ کربلا: یزید کی تخت نشینی کے بعد مدینہ منورہ کے گورنر ولید بن عقبہ نے یزید کے حکم سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت کرنے کے لیے بلایا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ امام رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں چار ماہ قیام فرمایا۔ اس دوران کوفہ کے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف خطوط بھیجے کہ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ آجائیں، تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں، آپ رضی اللہ عنہ کے سوا ہمارا کوئی پیشوا اور امام نہیں اس لیے کہ یزیدی حکومت میں اسلامی اقدار کی پامالی ہو رہی ہے اور اسلامی احکامات کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ جا کر حالات کا جائزہ لیں۔ اس دوران یزید کو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے آنے کے بارے میں اطلاع دی گئی، پھر یزید نے کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو گورنر مقرر کیا اور حکم صادر کیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نمائندے مسلم بن عقیل کو قید یا قتل کیا جائے۔

اسی دوران مسلم بن عقیل نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ آجائیں اور کوفہ کے لوگ میرے ہاتھ پر آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں۔ ادھر ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو شہید کروا دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ چوبیس دنوں کا نہایت طویل اور کٹھن سفر طے کر کے ۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو مقام کربلا پہنچے۔ یزیدی لشکر کے کمانڈر عمر بن سعد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کی بیعت پر اصرار کیا اور اس بات چیت کا سلسلہ دو محرم الحرام سے دس محرم الحرام تک چلتا رہا، مگر امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت اور باطل کے سامنے جھکنے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو حق و باطل کا معرکہ ہوا، جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال اور جان نثاران کے ساتھ بھوک اور پیاس کی حالت میں شہید کر دیے گئے۔ اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کی سر بلندی اور کلمہ حق کی برتری کے لیے عظیم الشان قربانی دے کر عالم اسلام کے لیے ایک مثال قائم کر دی۔

آرام گاہ: عراق کا شہر ”کربلا“ جو آج کل مشہور شہروں میں شمار ہوتا ہے، وہاں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک واقع ہے اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ ہے۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے بارے میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟
- ۲۔ واقعہ کربلا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ اس پر ایک مختصر نوٹ تحریر کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب بیان کریں۔
- ۲۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے وضو کو کس طرح درست کروایا۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ ہے:

- | | |
|------------|-----------------|
| (الف) کوفہ | (ب) بصرہ |
| (ج) کربلا | (د) مدینہ منورہ |

۲۔ یزید نے کوفہ کا نیا گورنر بنایا تھا:

- (الف) عبید اللہ بن زیاد کو
(ب) ولید بن عتبہ کو
(ج) مسلم بن عقیل کو
(د) نعمان بن بشیر کو

۳۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۶۱ھ میں ہوئی:

- (الف) ۱۰ محرم الحرام
(ب) ۱۵ شعبان
(ج) ۱۲ ربیع الاول
(د) ۱۰ شوال

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

حاصلاتِ قلم

- حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی پیدائش اور حسب نسب بیان کر سکیں۔
- حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ذاتی اخلاقی و اوصاف اور فضائل بیان کر سکیں۔
- حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی دینی جدوجہد اور کارنامے تحریر کر سکیں۔

نام و نسب: اسلامی تاریخ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اپنی کنیت ”ابو عبیدہ“ سے پہچانے جاتے ہیں۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کا اصل نام عامر بن عبد اللہ بن جراح بن ہلال تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ ”بنو فہر“ سے تھا، جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ قبیلہ بنو حارث میں سے تھی۔ جو مشرف باسلام ہوئیں۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے والد کفر کی حالت میں جنگ بدر میں قتل ہو گئے۔ اسلام کی حمیت میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نام میں غیر مسلم والد کا نام شامل کرنا گوارا نہ کیا اور داد کی طرف نسبت کر کے ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کہلانے لگے۔

ولادت: حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا خاندان اصل سے مکہ کا رہائش پذیر تھا، جہاں پر عام الفیل کے گیارہ برس بعد عبد اللہ بن جراح فہری کے گھر میں آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ مکہ میں ہی آپ رضی اللہ عنہ پلے بڑھے۔

قبولِ اسلام: بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و أصحابہ وسلم کے اعلان کے وقت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اسی سال کے نوجوان تھے، جوانی کے جوش، آزادانہ ماحول کے اس دور میں بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے جب اسلام کا آفاقی پیغام آپ رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو بغیر کسی تردد کے فوراً اسلام لے آئے۔ اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے آٹھ لوگوں کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ہوتا ہے۔

ذاتی خصائل و اوصاف: حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ عمدہ خصائل و اوصاف حمیدہ کے مالک تھے، آپ رضی اللہ عنہ پر حد درجہ کا اللہ تعالیٰ کا خوف غالب تھا، طبیعت میں تواضع اور زہد جیسی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، جرأت و بہادری خاندانی ورثہ میں ملی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نہایت سادہ کھاتے اور سادہ اوڑھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کی قیادت اور شام کی ولایت سنبھالنے کے عہدے بھی حاصل ہوئے۔ تاہم آپ رضی اللہ عنہ کے قناعت و زہد پر ان چیزوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب آپ رضی اللہ عنہ شام و فلسطین کی مہم پر لشکر کے سپہ سالار تھے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے خیمہ میں آئے تو وہاں تلوار اور ڈھال کے علاوہ

کوئی اور سامان نہیں پایا تو فرمانے لگے: ”(اے ابو عبیدہ!) ضرورت کا کچھ تو سامان اپنے پاس رکھ لیا کرو۔“ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: يَا أَيُّهَا الْمَوْمِنِينَ إِنَّ هَذَا سَيَّبُلُغُنَا الْبَقِيْلَ۔ (اے امیر المؤمنین! ہماری یہی (سادگی والی) حالت ہمیں بہت جلد ہماری آسائش گاہ تک پہنچا دے گی)۔ (مصنف عبدالرزاق، کتاب الجامع، باب زهد الصحابة ۱۱/۳۱۱)

دوسری مرتبہ فلسطین کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ارضِ فلسطین میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے دولت خانہ پر کھانے کے لیے تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے سامنے سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے پانی میں بھگو کر پیش کیے جو وہ خود بھی تناول کرتے تھے۔ اس وقت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”شام میں آکر سب ہی بدل گئے، لیکن ابو عبیدہ! ایک تم ہی ہو کہ اپنی وضع پر قائم ہو۔ الحمد للہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں (کہ عہدہ و منصب کے باوجود) ان کی نظر میں سیم وزر کی کوئی حقیقت نہیں۔“ (سنن ابی داؤد، کتاب الزهد، حدیث: ۱۱۵)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا قد لمبا، پتلا اور بدن کمزور و نحیف تھا، آپ رضی اللہ عنہ کی صورت و شکل تو بلاشبہ سادگی اور کمزوری کی عکاس تھی، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی سیرت و کردار سے اسلام کے لیے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ آج بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نام اسلام کے عظیم سپہ سالاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

فضائل و مناقب: حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ایک مجلس میں رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے جن دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں ہی جنتی ہونے کی خوشخبری دی تھی ان میں سے آپ رضی اللہ عنہ بھی ایک ہیں۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں شرکت نصیب ہوئی، اور بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک ممتاز شان رکھتے ہیں جن کی تعریف قرآن کریم میں بھی کی گئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر کے دو ہجرتوں کی سعادت حاصل کی۔

ہجرت کے نویں سال جب یمن کی طرف سے علاقے نجران کے بعض اہل کتاب حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں علمی مناظرہ کے لیے حاضر ہوئے اور ناکام ہو کر بالآخر جزیہ کے لیے آمادہ ہوئے تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے اوپر جو بھی جزیہ مقرر فرمائیں گے ہم وہ ادا کریں گے۔ آپ ہمارے ساتھ ایک امین آدمی بھیجیے تو آپ کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا: هَذَا أَمِينٌ هَذَا الْأَمَّةُ (یہ شخص اس امت کا امین ہے)۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۴۳۸۰)

دینی جدوجہد اور کارنامے: حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جس طرح ایمان لانے میں سبقت حاصل کی اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے اس راہِ حق میں پیش آنے والی آزمائشوں اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور ہر موقع پر استقامت سے قائم رہے۔ ساتھ ہی اسلام کی اشاعت کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ان بے مثال کاوشوں اور کارناموں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے ہوئے ہیں۔

جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے مدینہ منورہ کو باقاعدہ ایک اسلامی ریاست قرار دیا۔ اور مدینہ منورہ کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے سن ۲ ہجری میں جہاد کی فریضیت ہوئی۔ تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں بھرپور حصہ لیا، سن ۳ ہجری میں غزوہ احد کے وقت کفار کے حملہ میں جب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا اور جسم اطہر میں زرہ کی فولادی کڑیاں پیوست ہو گئیں تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے ان کو کھینچ کر نکالا جس سے ان کے دودانت بھی ٹوٹ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی قائدانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ نے فتح مکہ کے وقت پورے لشکرِ اسلام کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ایک جتھے کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بنایا۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ دونوں خلفاء کے خاص مشیروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو شام کے لیے لشکر کی سربراہی میں بھیجا تو تھوڑے عرصہ میں حمص، شام اور بیت المقدس فتح ہو گئے۔ ۱۶ ہجری اور ۷۳ء کو حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سامنے رومی سربراہ بیت المقدس مسلمانوں کے حوالہ کرنے پر راضی ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت المقدس مسلمانوں کے ماتحت ہو گیا اور فاتح شام و بیت المقدس جیسے اعزازات حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئے۔

وفات و مدفن: ان دنوں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی فلسطین کی نواحی علاقہ ”عمواس“ میں تھی کہ اچانک ”طاعون“ کی وبا پھیلنی شروع ہوئی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو دمشق کے قریب ”جولان“ علاقہ میں ”جابیہ“ کی طرف منتقل کر دیا، تاہم وبا کے اثرات اتنے پھیل چکے تھے کہ ہزاروں مسلمان فوجی شہید ہو گئے۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ رضی اللہ عنہ ۱۸ کو ۵۹ برس کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ مغربی اردن کے شہر ”دیرعلا“ میں واقع ہے، جہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی قائم ہے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

- ۱۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا خاندانی تعارف کیا ہے؟
- ۲۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی پیدائش کب ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو دادا کی طرف کیوں منسوب کیا؟
- ۳۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ”امینُ ہذِهِ الْأُمَّةِ“ کیوں کہا گیا؟
- ۴۔ ”سریہ سیف البحر“ میں مسلمانوں کی خاص مدد کا کون سا واقعہ پیش آیا؟
- ۵۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سادہ زندگی سے کوئی ایک مثال پیش کریں۔

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا نام تھا:

- (الف) عبد اللہ (ب) عمر
(ج) عمران (د) عامر

۲۔ ”امینُ ہذِهِ الْأُمَّةِ“ لقب تھا:

- (الف) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا (ب) حضرت رہد رضی اللہ عنہ کا
(ج) حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا (د) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا

۳۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے دو ملکوں کی طرف ہجرت کی:

- (الف) حبشہ و مدینہ منورہ (ب) مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ
(ج) شام و فلسطین (د) طائف و مدینہ منورہ

۴۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب تھا:

- (الف) شہادت (ب) طاعون کی وبا
(ج) بخار (د) دل کا دورہ

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ طلبہ و طالبات کو بیت المقدس کی موجودہ صورتحال سے واقف کرائیں۔
اور اس سلسلہ میں ایک مذاکرہ کا اہتمام کریں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

- جابر بن حیان کا نام و نسب اور حالات زندگی بیان کر سکیں۔
- جابر بن حیان کے سائنسی کارنامے اور تصانیف تحریر کر سکیں۔

تعارف: جابر بن حیان مشہور مسلمان سائنسدانوں میں سے ایک ہیں، جن کو علم کیمیا میں ”بابائے کیمیا“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم کیمیا کے علاوہ، فلکیات، طب، جیومیٹری، فلسفہ، منطق، سیاسیات و ادب میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو کامل مہارت حاصل تھی۔

نام و نسب: آپ کا پورا نام جابر بن حیان بن عبد اللہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہے اور لقب ”صوفی“ اور کنیت ”ابو موسیٰ“ ہے۔ ان کے آباؤ اجداد خراسان و طوس سے تعلق رکھتے تھے، جہاں ۱۰۲ ہجری کو قبیلہ ازد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ ان تمام نسبتوں کی وجہ سے وہ اپنی کتابوں کے اوپر نام کے ساتھ ”کوفی“، ”ازدی“، ”طوسی“ یا ”صوفی“ لکھتے ہیں۔ اہل یورپ ان کو ”Gaber“ کے نام سے جانتے ہیں۔

حالاتِ زندگی: جابر کے والد حیان بن عبد اللہ اصل میں شام کے رہنے والے تھے، جہاں کے سیاسی و اقتصادی حالات کی ابتری کی وجہ سے وہ نقل مکانی کر کے طوس میں سکونت پذیر ہو گئے، حیان بن عبد اللہ عطر کا کاروبار کرتے تھے، اس لیے طوس میں آتے ہی انھوں نے اپنی آبائی حرفت کی بدولت وہاں ”خوشبو کی دکان“ لگائی۔

دکان بننے کے کچھ مہینے بعد جابر کی ولادت ہو گئی۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم وہیں طوس میں اپنے والد محترم کی زیر نگرانی ہوئی۔ ساتھ ہی وہ جب اسکول کے کام سے فارغ ہوتے تو سیدھے آکر اپنے والد کے ساتھ دکان پر بیٹھ جاتے۔ پہلے تو صرف دیکھتے اور وہاں موجود چیزوں کے بارے میں پوچھتے لیکن بعد میں اپنے والد کا کاروبار میں باقاعدہ ہاتھ بٹانے لگے۔ ساتھ ہی اس کی دلچسپی دکان میں موجود عطر، خوشبوؤں، خوشبو بنانے کے لیے کام آنے والی جڑی بوٹیوں، پودوں، پھولوں اور دیگر چیزوں کی طرف بڑھنے لگی۔ اپنے والد سے معلومات لیتے، چیزوں کو پرکھتے پھر اس کے بارے میں تجربات کرتے اور ان کے خواص ذہن نشین کرتے۔ حیان اپنے بیٹے کی دلچسپی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو حتی الوسع موضوع کے متعلق کتابیں اور معلومات فراہم کرتے رہے ساتھ ہی اس کو قدیم فلاسفوں کے بارے میں بھی بتاتے تھے۔

جب جابر بن حیان کے والد وفات پا گئے تو انھوں نے اپنے والد کی وصیت کو یاد کرتے ہوئے پھر سے نئے جذبے کے ساتھ اپنی تعلیم پر توجہ دی، آپ کے اساتذہ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کی وصیت تھی کہ ”تم خوب محنت سے کام لو، ایک دن ضرور تمہارا شمار بڑے بڑے سائنسدانوں میں ہو گا۔“ اس بات کو یاد کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ طبعیات، ریاضی اور دیگر علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر تیس برس ہوئی تو اپنے خاندان کو لے کر ”کوفہ“ منتقل ہو گئے۔

سائنسی کارنامے: جابر بن حیان نے دواسازی اور دھات سازی میں بہت سے تجربات کیے اور نئی نئی چیزیں دریافت کیں اور خاص طور سے علم کیمیا سے متعلق اصول وضع کیے جو آج تک قابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں اور پھلوں کو گرم کر کے ان سے عرق نکالنے کے لیے انھوں نے ”قرع انبیق“ نامی آلہ تیار کیا، جس کو آج کے زمانے میں قرنفل کہا جاتا ہے۔

انھوں نے ”گندھک کا تیزاب“، نمک کا تیزاب، ”کاربونیٹ آرمینک سلفائیڈ“، ”خضاب بنانے کا طریقہ“، ”دھات کو کشتہ بنانے“، لوہے پر وارنش کرنے کے طریقے ایجاد کیے۔ یہ پہلا کیمیا دان تھا جس نے مادہ کی تین حصوں میں درجہ بندی کی۔ نباتات، حیوانات اور معدنیات۔ پھر معدنیات کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا: بخارات میں تبدیل ہونے والی اشیاء، آگ پر پگھلنے والی اشیاء اور وہ اشیاء جو گرم ہو کر پھٹ جائیں۔

سابقہ مطالعہ اور تجربات کی بنیاد پر انھوں نے دواسازی، طب اور دھات سازی کے بارے میں غور و خوض کر کے بہت سی چیزیں ایجاد کیں، جو پہلے کسی نے بھی معلوم نہیں کی تھیں، مختلف دھاتی اجزاء اور کیمیائی عوامل کے ذریعے انھوں نے ایک مادہ مائع حالت میں تیار کیا جو ہر چیز کو جلا رہا تھا، اس کا نام ”تیز آب“ سے ”تیزاب“ پڑ گیا۔ اس طرح ان کی کاوشوں سے ایک نئے سائنسی فن ”کیمیا“ کی بنیاد پڑ گئی۔

جابر بن حیان کی تصانیف: جابر بن حیان کو کثیر التصانیف لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے، ان کے رسائل اور کتب کی تعداد ۲۳۲ سے تجاوز کر جاتی ہے، ایک قول کے مطابق ان کی پانچ سو سے زیادہ تالیفات تھیں جن میں سے اکثر زمانہ کے حالات کی نذر ہو کر ضائع ہو گئیں۔ جابر بن حیان کی بہت سی عربی کتابیں لاطینی اور پھر لاطینی سے انگریزی زبان میں ترجمہ ہو کر یورپ تک پہنچ گئیں، اس طرح ان کی بدولت یورپ علم کیمیا سے روشناس ہوا۔

ان کتابوں میں سے ”ایضاح“، ”الخواص الکبیر“، ”المیزان“ علم کیمیا سے متعلق ہیں۔ (اعظم علماء کیمیا جابر بن حیان - ص: ۲۰) جب کہ دیگر کتب فلکیات، طبعیات، جیومیٹری، فلسفہ و منطق اور علم سیاسیات کے بارے میں ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں:

۱۔ جابر بن حیان کی علم کیمیا میں خدمات تحریر کریں۔

۲۔ جابر بن حیان کی تصانیف کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

۱۔ جابر بن حیان کے خاندان اور جائے پیدائش کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۲۔ جابر بن حیان کے والد کا کون سا کاروبار تھا؟

۳۔ جابر بن حیان بغداد کس طرح پہنچے اور وہاں ان کا کیسے استقبال ہوا؟

۴۔ جابر بن حیان کی کون سی مشہور ایجادات ہیں؟

۵۔ جابر بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے علم کیمیا سے متعلق کتابوں کے نام بتائیے۔

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیے:

۱۔ جابر بن حیان کے دادا کا نام تھا:

(الف) عبید اللہ (ب) عبدالرحمن (ج) عبداللہ

۲۔ جابر بن حیان کے خاندان کا نام تھا:

(الف) قریش (ب) صدیقی (ج) ازد

۳۔ جابر بن حیان کے والد کا کاروبار تھا:

(الف) لکڑیاں بیچنے کا (ب) خوشبو کا (ج) چمڑا تیار کرنے کا

۴۔ جابر بن حیان کی مشہور ایجاد ہے:

(الف) کمپیوٹر (ب) بلب (ج) تیزاب

۵۔ عرق نکالنے کے لیے انھوں نے ایجاد کیا:

(الف) مہکا (ب) قرع انبیق (ج) بوتل

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ طلبہ و طالبات کو (۱) جابر بن حیان کی تصنیفی خدمات پر خاص طور پر رہنمائی کریں۔
(۲) مسلمانوں کی سائنسی خدمات پر ایک مذاکرہ منعقد کریں۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام

حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ

حاصلاتِ تعلم

- حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت اور بچپن کے احوال تحریر کر سکیں۔
- حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت اور روحانی سلسلہ بیان کر سکیں۔
- حضرت محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، روحانی و مجاہداتی خدمات بیان کر سکیں۔

تعارف: سرزمین سندھ ہمیشہ سے مردم خیز خطہ رہا ہے، جس میں وہ بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں جن کی وجہ سے سندھ کو علم و ادب اور امن و سکون کی سرزمین شمار کیا جاتا ہے۔ ایسی بزرگ شخصیات میں سے سندھ کی مایہ ناز شخصیت حضرت پیر محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک ہیں۔

آپ کا پورا نام سید محمد راشد بن محمد بقا بن محمد امام شاہ ہے، جب کہ آپ کا لقب روضہ دھنی (روضہ والا) اور کنیت ابو یاسین ہے۔ حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے مشہور سادات قبیلہ ”راشدی خاندان“ کے جد امجد ہیں، آپ کا سلسلہ نسب چھتیس پشتوں کے بعد حضرت امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

حضرت محمد راشد کے خاندان کے جد امجد حضرت سید علی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے دین اسلام کی اشاعت کی خاطر اپنا وطن چھوڑا اور کوسوں دور آکر سندھ کے قدیم شہر سیوستان (سہون) کے قریب ”لک آری“ میں سکونت اختیار کی۔ اس وجہ سے آپ کا خاندان ”لکیاری“ مشہور ہوا۔

لکیاری سادات میں مشہور بزرگ حضرت شاہ صدر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے حضرت سید محمد بقا شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے جید عالم اور عارف باللہ اور باکمال بزرگ تھے۔ جو حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی تھے۔

ولادت باسعادت: حضرت پیر محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت رمضان المبارک ۱۱۷۱ھ میں خیر پور میرس کے قریب ایک گاؤں رحیم ڈنو کھوڑو میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ رمضان المبارک میں دودھ پیتے اس بچے کی یہ عادت ہو گئی کہ سحری کے وقت اپنی والدہ کا دودھ پی کر سارا دن روزہ داروں کی طرح گزارتے اور مغرب کی اذان کے وقت پھر دودھ کے لیے اپنی والدہ سے چمٹ جاتے۔ چنانچہ اس روش کے سبب آپ کو ”روزہ دھنی“ (روزہ والا) کہا جانے لگا، بعد میں آپ کے روضہ (مزار) کی طرف منسوب کر کے آپ کو ”روضہ دھنی“ (روضہ والا بزرگ) کہا گیا۔

بچپن کا زمانہ: پیر سید محمد راشد روضہ دھنی رحمۃ اللہ علیہ نیک بخت والد کے سعادت مند فرزند تھے، جس کے آثار آپ کی ابتدائی زندگی سے ہی نمایاں تھے۔ آپ کے بچپن کا زمانہ تلاوت قرآن اور ذکر الہی کرنے والی والدہ کی گود میں گذرا۔ اپنے ہم

عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود اور فضول کاموں میں مشغول ہونے کی بجائے آپ کا اکثر وقت گھر کے پاکیزہ اور روحانی ماحول میں گزرتا جس کے باعث آپ کو بچپن سے ہی علم و عرفان سے شغف ہو گیا۔ حصول علم کی عمر کو پہنچنے تک اپنے گھر اور والدین کے زیر سایہ رہے۔

تعلیم و تربیت: حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی طور پر وقت مقرر کر رکھا تھا، اور آپ نے سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کے دوسرے بھائی بہنوں کو گھر پر ہی اپنے پاس ابتدائی تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتدا سے ہی وہ اپنی اولاد کی ذہن سازی کے لیے ان سے فرماتے:

بیٹا! ہم جو آپ کو یہ ظاہری علوم کی تعلیم دینے کے لیے کوشاں ہیں اس کا مقصد یہ نہیں کہ آپ محض دنیاوی اغراض میں قاضی و عالم کہلاتے رہیں بلکہ شریعت مطہرہ کی واقفیت اور سنت کا اتباع ہے جس میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

حضرت محمد راشد اپنے والد گرامی کے علاوہ حافظ زین الدین ہمسیر رحمۃ اللہ علیہ اور میاں محمد اکرم گھمور رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ مزید تعلیم کے لیے آپ کو شکار پور کے مشہور بزرگ شاہ فقیر اللہ علوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب میں بٹھایا گیا۔ یہ بزرگ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ کے والد سید محمد بقا شاہ رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ مدرسہ کے عام طلباء کے کھانے کی بجائے ان کی اولاد کو عمدہ اور الگ کھانا دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا: ”جہاں روٹی کے ساتھ سالن ملتا ہو وہاں علم نہیں حاصل ہو سکتا۔“ چنانچہ پھر آپ کو اپنے بھائی سید علی مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ موجودہ ضلع نوشہرہ فیروز کے شہر کوٹری محمد کبیر کے مشہور عالم مخدوم یار محمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں داخل کیا گیا۔ جہاں سے حصول تعلیم کے بعد آپ کو لاڑکانہ کے قریب ”آریجہ گاؤں“ کے استاذ الکل حضرت مولانا محمد آریجوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا گیا اور وہاں سے تمام علوم میں سند فراغت حاصل کی۔

روحانی سلسلہ، سلوک و عرفان: حضرت محمد راشد روضہ دھنی نے سلوک کی ابتدائی تربیت اپنے والد گرامی حضرت محمد بقا شاہ سے سلسلہ نقشبندیہ اور پھر قادریہ طریقے میں حاصل کی۔ سید محمد بقا شاہ سلسلہ قادریہ میں جھنگ پنجاب کے حضرت عبدالقادر خامس جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور سلسلہ نقشبندیہ میں مخدوم محمد اسماعیل پریاں لوئی سے بیعت کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ستائیس برس کی عمر میں آپ اپنے والد گرامی حضرت محمد بقا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین مقرر ہوئے۔ اور شریعت و طریقت اور ذکر خداوندی اور سنت نبوی کی اشاعت میں اہم کردار ادا فرمایا۔

علمی، روحانی اور مجاہدانہ خدمات: حضرت محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف علوم روحانی میں کامل تھے بلکہ ظاہری علوم خاص طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، لغت اور دیگر علوم و فنون میں بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کو فارسی اور عربی

زبانوں کے ساتھ غیر معمولی لگاؤ تھا، آپ کی وسعتِ مطالعہ اور کتبِ بنی کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں رہتی۔ آپ کے پاس ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا، لوگوں کو کتابوں کا شوق دلانے کے لیے آپ فرماتے: ”جو کوئی بھی مہنگی کتابیں خریدے گا، اس کی اولاد سے کبھی علم ختم نہ ہو گا۔“ حضرت محمد راشد عوام کو رشد و ہدایت اور دین کی دعوت کی طرف بلا تے رہتے اور جو وقت بچتا تو تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔ چنانچہ ”جمع الجوامع“ فارسی لغت چار ضخیم جلدوں میں، آداب المریدین، مکتوبات، شرح اسماء اللہ الحسنى اور جامع سندھی کلام آپ کی مشہور تصانیف ہیں، جبکہ آپ کے مواعظ، اقوال و احوال کا مجموعہ ”ملفوظات شریف پیر محمد راشد روضہ دہنی، ’جمع الفیوضات‘ اور ’صحت نامہ‘ کے نام سے مشہور ہیں جو آپ کے خلفاء نے مرتب کیے۔

حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فیض کے ساتھ آپ کا روحانی فیض کئی ہزار لوگوں کے قلوب کے لیے اکسیر ثابت ہوا۔ اپنے والدِ گرامی سے سلوک میں خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ سندھ کے علاوہ پنجاب، کچھ بھونج، راجھستان گجرات، کاٹھیاواڑ اور بلوچستان تک سفر کر کے لوگوں کو علمی و روحانی فیض دیتے رہے۔ اس کے علاوہ سماج کے اندر غلط رسوم و بدعات کو ختم کرنے میں بھی آپ نے مجاہدانہ کردار ادا فرمایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے اندر جس طرح شرک و بدعات کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد کر کے سنتِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو جلاء بخشی اور لوگوں کے دلوں میں نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور عقیدت کو راسخ کیا، اسی طرح حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ کے اندر یہ کارنامہ سرانجام دیا۔ آپ کے سلسلہ روحانی اور تعلیمات کو پھیلانے میں آپ کی اولاد (پیران پگاڑہ اور پیران جھنڈو) اور خلفاء نے اہم کردار ادا کیا جس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔

وفات: علم و عرفان کے اس عظیم پیشوا نے یکم شعبان المعظم ۱۲۳۴ ہجری کو وصال فرمایا، آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ آپ کو درگاہ شریف گاؤں رحیم ڈنو کھوڑو میں دفنایا گیا، لیکن بعد میں سن ۱۲۵۰ ہجری کو دریائے سندھ کی طغیانی کے باعث آپ کو موجودہ شہر پیر جو گوٹھ، کنگری ضلع خیر پور میرس میں منتقل کیا گیا۔ جہاں آپ کا روضہ اور خانقاہ موجود ہے۔



(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات لکھیں:

- ۱۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و روحانی خدمات تحریر کریں۔
- ۲۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کو ”روضہ دہنی“ کا لقب کیوں دیا گیا؟

(ب) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیں:

- ۱۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی نسب بیان کریں۔
- ۲۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

(ج) مندرجہ ذیل سوالات کے درست جواب پر ”✓“ کا نشان لگائیں:

۱۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب ملتا ہے:

- (الف) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے (ب) حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے
(ج) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے (د) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے
۲۔ آپ کا ”گاؤں رحیم ڈنو کھوڑو“ واقع ہے:

- (الف) شکارپور میں (ب) سکھر میں
(ج) خیرپور میرس میں (د) نواب شاہ میں
۳۔ حضرت محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کی اقوال و احوال پر مشتمل کتاب ہے:
- (الف) سندھی کلام (ب) تحفۃ السالکین
(ج) جمع الجوامع (د) ملفوظات شریف

۴۔ اسلام کی اشاعت کے لیے آبائی وطن چھوڑ کر سکونت اختیار کی:

- (الف) سہون (ب) لک آری
(ج) آمری (د) میہر

وہ طلبہ و طالبات کو حضرت پیر محمد راشد روضہ دہنی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کی خدمات سے آگاہ فرمائیں خاص طور پر:

- آزادے وطن میں ”نثر“ تحریک کا کردار۔
- پیر جھنڈو میں مدرسہ دارالرشاد اور مکتبہ کا قیام۔
- اس خاندان پر ”پاگارہ“ اور ”پیر جھنڈہ“ نام پڑنے کی وجہ تسمیہ۔

ہدایات برائے
اساتذہ کرام